



دیوان غالب

رزا غالب کے صحیح کیے ہوئے نسخے کے مطابق

پیش نامہ
پروفیسر احسان حسین

کتاب نگر
ن دیال روڈ، لکھنؤ

پہلی چھاپ ایک ہزار
 قیمت دو روپے

مطبوعہ
 تنظیم پریس ، لکھنؤ
 جنوری ۱۹۵۶ء

پیش نامہ

ذوقِ حسن

دیوان غالب کو ایک نئے بلوسن جمیل سے آراستہ کر کے شائع کرنا خوش ذوقی کی ایک دلیل ہو لیکن اُس پر تعارف، پیش لفظ یا مقدمہ کی حیثیت سے کچھ لکھنا "سنگشتگیِ خارِ رسوم و قیود" کے دائرے میں آتا ہو۔ غالب نے "پابندیِ رسم و ردہ عام" کی طرف جس طرز پر یہ انداز میں اشارہ کیا ہو اُسے یاد رکھنے والے کبھی محسنِ تعارف کی رسم پوری کرنے کے لیے تعارف یا پیش لفظ نہیں لکھ سکتے۔ ہر کوئی تنقید یا ادبی مقالہ، جو مقدمے کی حیثیت سے شامل کیا جائے، اس کے لکھنے کا حق اچھے اچھے غالب شناس ادا کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ

تنقیدی مقدمے کا خیال آتے ہی انگریزی ادب کے کسی ناقدِ ادب
 علم کی بات یاد آتی ہے جس نے اس سوال پر کہ شکستہ کے ڈرامے
 ہیملٹ پر سب سے اچھی تنقیدی کتاب کون سی ہے، خود ہیملٹ ہی
 پڑھنے کی رائے دی تھی۔ گو میں اس رائے سے پوری طرح متفق
 نہیں ہوں لیکن یہ ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ دیوان غالب پڑھنے
 والے کو اس وقت تک کے لیے تنہا چھوڑ دینا چاہیے جب تک کہ
 وہ خود اس کے متعلق دوسروں کے خیالات جاننے کا خواہش مند
 نہ ہو۔ ان باتوں پر نظر رکھ کر عقل کا فتویٰ یہی ہے کہ اس ”رد سے
 دل آرام“ کو مشاطگی کی حاجت نہیں ہو۔ اگر مشاطگی ضروری ہو تو وہ اتنی
 ہی ہو کہ اسے صحت کے ساتھ حسین اور دل کش انداز میں شائع
 کیا جائے۔

شاید یہ بھٹنا غلط نہ ہو کہ تمام شعراے اردو کے کلیات
 دد ادین اور محسن کلام میں دیوان غالب (اردو) سب سے
 زیادہ اشاعت پذیر ہوا ہے۔ اس لیے اسے اس وقت تک اس کے نہ جانے

کہنے اچھے اور بُرے، سادہ اور پرکار، صحیح اور غلط،
 گراں اور ارزاں، چھوٹے اور بڑے انڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔
 یہ انڈیشن اپنے ظاہری رنگ روپ ہی میں ایک دوسرے سے
 مختلف نہیں ہیں بلکہ بسا اوقات متن میں بھی فرق رکھتے ہیں اس
 لیے اگر باب ذوق کی نگاہیں ان میں سے ہر ایک کی اہمیت ہو۔
 مختلف ابتدائی انڈیشنوں کا مطالعہ کرنے والے دوسرے
 شواہد کی مدد سے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون سی غزل کس زمانے
 میں لکھی گئی یا غالب نے نظر ثانی کرتے ہوئے کس قسم کی تبدیلیاں
 کیں۔ یہ مطالعہ محض محققوں کے لیے نہیں تنقید نگاروں کے لیے
 بھی بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس سے جہاں ایک جانب کسی حد تک
 مرزا غالب کے کلام کو تاریخی ترتیب سے دیکھنے کا جذبہ آشودہ
 ہوتا ہے، وہاں دوسری جانب ان کے ذہنی اور جذباتی نشوونما
 کا سراغ بھی ملتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگرچہ ان کا اردو
 دیوان پہلی بار ۱۸۸۷ء میں مطبع سید الاخبار دہلی سے شایع ہوا

لیکن وہ مرتب اس وقت ہو چکا تھا جب مرزا کی عمر تقریباً
 پچیس سال تھی کیونکہ راجپور، لاہور، اور بھوپال کے فنون سے
 یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے پچیس سال کی عمر
 تک ”طرزِ بیدل“ کی پردی میں جو کچھ کہہ لیا تھا، اردو کی حد
 تک وہی ان کے کلام کا بیشتر حصہ تھا جس میں بہت اہمیت تھی
 اضافہ ہوا۔ ان ابتدائی فنون سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے
 کہ فارسی سے فطری لگاؤ کے باوجود مرزا غالب شروع میں رختہ
 گوئی ہی کی جانب مائل تھے اور غالباً اردو میں رنگ بیدل کی
 بہار دکھا کر ایک نئے اسلوب کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے۔ اس
 وقت تک نہ تو شیخ علی حزیں کے خندہ زیر لبی نے انھیں ان
 کی بے راہ روی سے آگاہ کیا تھا، نہ طالب آعلیٰ کے زہر نگاہ
 اور عرفی کی برق چشم نے انھیں غلط روی پر ڈکا تھا، نہ ظہری
 نے بازو پر تعویذ باندھا تھا، نہ نظیری نے رہنمائی کی تھی اور نہ
 غالباً میر کا دیوان ”گلشن کشمیر“ نظر آیا تھا۔ یہ ساری باتیں دیوان

اُردو کے اُن تسلیمی یا طبع شدہ نسخوں سے معلوم ہو سکتی ہیں جن کا
 سراغ ہمیں مفتی انوار الحق، ڈاکٹر عبداللطیف، شیخ محمد اکرام،
 امتیاز علی عرشی، غلام رسول مہر، مالک رام اور دوسرے غالب
 شناسوں کی تحریروں سے ملتا ہے۔ پندرہ سال سے پچیس سال کی
 عمر تک کے کلام میں قطع و برید اور حاکم و اصلاح کے فرائض خود
 مرزا غالب کے علاوہ اور کس کس نے انجام دیے یہ تو معلوم نہیں
 لیکن یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ غالب کو جلد ہی اپنی مشکل پسندی کی
 ناکامی کا احساس ہو گیا اور اکھنوں نے اپنے رہنما تبدیل کر کے
 اور راہ بدل کر منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش کی۔ نتیجہ حمید
 اور بعد کے انتخابات میں جو فرق ہو وہ اس تبدیلی مذاق کا کھلا
 مواثوت ہے۔ آج ہمیں اس بات پر کھوڑی سی حیرت ضرور ہوتی
 ہے کہ نگاہِ انتخاب نے بعض اچھے اشعار کیوں نظری کر دیے اور
 بعض بے کیف یا معمولی شعروں کیوں داخلِ دیوان کر لیے !
 کلام غالب کی تاریخی تدوین سے ایک اور بات جو نمایاں

ہوتی ہو وہ یہ ہو کہ عمر کے درمیان جھٹے میں اکھنوں نے اُرد کے
 بجائے فارسی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنالیا، اُرد میں بہت کم
 لکھا حالانکہ جو کچھ لکھا ان کے بہترین کلام میں شمار کیے جانے
 کے لائق ہے۔ اُرد کی جانب وہ پھر اُس وقت متوجہ ہوئے جب
 انھیں بہادر شاہ ظفر کا قرب حاصل ہوا۔ غزلیاتِ غالب کا ایک
 عام مطالعہ کرنے والا ان باتوں کے دور رس اثرات سے واقف
 نہ ہو تو کوئی بات نہیں لیکن جو شعر کے ساتھ شاعر کو بھی سمجھنا چاہتا ہو
 اُسے ان اتفاقات میں معنی کی ایک دنیا پوشیدہ نظر آئے گی۔

دیوانِ غالب کے جتنے ایڈیشن اس وقت تک شائع ہو چکے
 ہیں ان کی فہرست تو شاید ہی مرتب کی جاسکے لیکن اہم ایڈیشنوں
 کی نشان دہی ضرور کی جاسکتی ہے۔ ان ایڈیشنوں کے بعد جو مرزا
 غالب کی زندگی میں شائع ہوئے بہت دنوں تک اس کی طرف
 توجہ نہیں ہوئی کہ دیوان کی صورت کی حیثیت بھی درست کی جائے اور
 نہ اس بات کا خیال آیا کہ غیر مطبوعہ کلام بھی متداول نسخوں میں شامل

کیا جائے لیکن بیسویں صدی میں نظامی ایڈیشن (بدایوں)، نسخہ حمید،
 مرقع چغتائی، نقش چغتائی، برلن ایڈیشن، تاج ایڈیشن، نظامی ایڈیشن،
 دیوان غالب مرتبہ مالک رام، دیوان غالب مرتبہ عروسی رام پوری
 اور دیوان غالب مرتبہ علی سردار جعفری، اس وقت دونوں پریس
 میں ہیں) کی اشاعت کے بعد یہ شکایت نہیں کی جاسکتی کہ اُردو کلام
 غالب کے خوب صورت ایڈیشن شائع نہیں کیے گئے ہیں پھر بھی نہ
 جلنے کیوں یہ احساس باقی رہ جاتا ہے کہ دیوان غالب کا ایک ایسا
 صحیح، صاف سُفرا، خوب صورت اور سستا ایڈیشن ابھی تک شائع
 نہیں ہوا ہے، نگاہیں جسے ڈھونڈھتی ہیں۔ ظاہری حسن طباعت کے
 علاوہ یہ کوشش بھی گزشتہ پچیس تیس سال ہی کے اندر ہوئی ہے کہ
 غالب کے وہ اشعار بھی تلاش کر کے شائع کیے جائیں جو اُنھوں
 نے نظر انداز کر دیے تھے یا کسی اور وجہ سے دیوان کا جز نہیں بن سکے
 تھے۔ نسخہ حمید کی دستیابی تو خیر ایک نعمتِ غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی
 ہے، اس کے ماسوا بھی اُردو اور فارسی نظم و نثر کے بہت سے جواہر پارے

مختلف ذرائع سے ہاتھ آئے ہیں اور اہل نظر کے سامنے پیش ہوتے
 لہے ہیں۔ بعض اُردو دیوانوں میں ان غیر مطبوعہ اشعار کے انتخاب بھی
 شامل کر لیے گئے ہیں بلکہ بعض اوقات تو زیادہ تحقیق کے بغیر ایسے اشعار بھی
 غالب سے منسوب کر دیے گئے ہیں جن کے لیے کوئی قطعی ثبوت موجود نہیں
 ہے۔ اس کی ایک کچھ مثال عبدالباری آسی مرحوم کی مکتب شرح
 دیوان غالب ہے جس میں مرزا غالب کی بچپن غیر مطبوعہ غزلیں شامل
 ہیں۔ ان غزلوں کا ظاہری انداز ضرور دھوکا دیتا ہے لیکن ان میں وہ
 ساحرانہ گیرائی، وہ دل میں اتر جانے والی مانوس کیفیت نہیں ہے
 جو غالب کے ایک ایک شعر میں پائی جاتی ہے۔

دیوان غالب کے مختلف اور متنوع ایڈیشنوں کے ساتھ ہی
 ان بہت سی شرحوں کا خیال آتا ہے جو ”گنجینہ معنی کے طلسم“ کو کھولنے
 کے لیے مرتب کی گئی ہیں۔ نظم طباطبائی، سعید، شوکت، حسرت موہانی،
 سہا مجددی، بیخود دہلوی، آسی، محمد باقر، جوش ملیح آبادی اور
 شہاب الدین مصطفیٰ کی شرحیں شایع ہو چکی ہیں۔ کچھ غیر مطبوعہ

ہیں۔ کچھ چھپ رہی ہیں اور کچھ ”ناکردہ گناہوں کی حسرت“ کی طرح
 معرض خیال میں ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان شہزادوں
 سے غالب بھی میں کچھ اضافہ ہوا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی غالب
 کی اصل روح کو نمایاں نہیں کیا۔ شاید میں غلطی پر ہوں اور شاعر اشعار
 کا یہ مقصد بھی نہ ہو لیکن شرحوں کی روکھی پھیلکی سپاٹ عبارت کبھی بھی
 اشعار کی ساری خوب صورتی، توانائی اور ایمانی نکتہ سنجی کا خون
 کر دیتی ہے۔

غالب فہمی کا ذکر آگیا تو ذہن ایک بار پھر اسی نکتے کی طرف جاتا
 ہے کہ دیوان غالب سے لطف اندوز ہونے کے لیے خود دیوان ہی
 کے مطالعے کو کیوں نہ کافی سمجھا جائے۔ یہ اگر ”لاف تسکین“ نہیں
 تو ”مزید سادہ دلی“ ضرور ہے کیونکہ چاہے انفرادی طور سے اشعار
 کا سمجھنا اور مشکل مقامات کا حل کر لینا آسان ہو لیکن شاعر کے نہاں
 خانہ دل میں اتر کر ان حقیقتوں کا بھید پانا آسان نہیں ہے جو حسن خیال
 بن کر الفاظ کے دام میں اسیر ہوئی ہیں۔ اگر یہ محسن ایک شاعرانہ جھوٹ

نہیں ہو کہ جب "نازد غمزہ" کا ذکر کرنا ہو تو "دشمنہ و خنجر" اور جب
 "مشاہدہ حق کی گفتگو" ہو تو "بادہ و ساغر کی طرت اشارہ کرنا
 پڑتا ہے تو ہمیں یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ بہت سے الفاظ اشارہ، استعار
 یا علامت کے طور پر استعمال ہوئے ہوں گے جن کی سنو سی دنیا میں
 داخل ہونے کے لیے شاعر کے ساتھ کوہ و بہا باں، صحر اور مرغزار
 زمین و آسمان، دیر و کسرم، جنت و جہنم، محفل یار و کوچہ رقیب میں جانا
 اور اس کے جذبات اور محسوسات کو سمجھنا ہو گا۔ صرف اسی طرح اشعار
 کی روح تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ عنقائے معانی کی گرفتاری کے
 لیے آگہی کا دام بچھنا ضروری ہے، اس لیے دیوان غالب سے معنوی اور
 شانزادہ کیف حاصل کرنے کے لیے بس اس باتوں پر نظر رکھنا مفید
 ہی نہیں ضروری بھی ہے۔

میں یہاں اس بحث میں اُبھٹنا نہیں چاہتا کہ شاعر جو کچھ پیش کرتا
 ہے وہ اس کی انفرادیت کا مظہر ہوتا ہے یا اس کے عہد کی کس تسکین
 کی آئینہ داری کرتا ہے یا یہ کہ اس انفرادیت اور اجتماعیت میں شبہ

کیا ہوتا ہے لیکن شاعر اگر محض ردایتی خیالات یا سنی سنانی باتیں
 نہیں بیان کرے۔ باہر تو یقیناً وہ یا تو اپنے ذاتی اور انفرادی تجربات
 کا اظہار کرے گا یا اس کا کلام خارجی زندگی اور بیرونی تضادوں
 کا عکس ہو گا۔ دونوں حالتوں میں اس کی زندگی کے اہم ترین پہلوؤں
 کا عکس اس کے اور اس کے عہد کے مزاج کی واقفیت، اس کے شعور
 کی تشکیل کرنے والے واقعات و حادثات کا عرفان لازمی ہو گا۔
 کی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز اور ان کی شخصیت میں بہت سے
 پیچ و خم ہیں، ان کے اندر مسلسل ایک پکار جا رہی ہے، زندگی کے
 عام تنازعات، ان کے رد و عمل کے ساتھ مل کر ایک ذہنی دستکری
 کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کے متنوع تجربات جذبات کے
 سانچے میں ڈھلنے کے لیے ایک خاص طرح کی استدلالی منزل سے
 گزرتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان باتوں پر غور نہ کرے
 تو وہ کلام غالب کے تہہ در تہہ عناصر کو کس طرح سمجھ سکے گا۔ شخصیت اور
 شاعری میں جو رشتہ ہوتا ہے اس کا ادراک ہی ادیب کے طالب علم کو معمولی

قاریوں سے مختلف بناتا ہو اور اس رشتے کے سمجھنے کے لیے غالب کا فارسی کلام، اُن کے اُردو اور فارسی خطوط، اُن کی دوسری تصنیفات اور اُن کے واقعات زندگی سے واقفیت ناگزیر ہے۔

میر کے خیال میں غالب کی شخصیت اور شاعری کا پہلا اہم تجربہ مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں کیا جس سے بقول ڈاکٹر وحید قریشی، حالی نے یادگار غالب میں استفادہ کیا۔ پھر خود یادگار غالب جو اپنی بعض خامیوں کے باوجود اب بھی غالب فہمی میں معین ہوتی ہو اس وقت کے مختلف تذکروں اور دوسری کتابوں میں غالب کا جو ذکر ہو وہ ناکافی ہے لیکن اُن کی مدد سے مالک رام، غلام رسول مہر، عرش رامپوری، شیخ محمد اکرام نے جو سوانح عمریاں مرتب کیں وہ تحقیقی نقطہ نظر سے بڑی اہم ہیں۔ یوں غالب کی زندگی اور شخصیت کے متعلق سب اچھا مواد خود اُن کے فارسی اُردو خطوں اور دوا دین میں ملتا ہے لیکن انھیں مرتب اور عالمانہ انداز میں پیش کرنا بڑی بات ہے۔ اُن کے علاوہ غالب کی زندگی اور شاعری کے متعلق جو معلومات مولوی ہمیش پرشاد، قاضی عبدالودود، حمید احمد خاں

مختار الدین، سید سعید حسن رضوی ادیب، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مولانا
 ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر عبدالحق، اسد علی انوری اور حسین دوسرے
 حضرات نے یکجا کی ہیں وہ غالب کی شخصیت اور زندگی کے بہت سے
 تاریک گوشوں کو منور کرتی ہیں۔ پھر بھی ابھی غالب کے بچپن اور ابتدائی
 جوانی، ان کی تعلیم و تربیت، علمی مہافت، فارسی سے شغف کی نوعیت
 حیات عشق وغیرہ کے متعلق تحقیق کی گنجائش ہے۔

تحقیقی کام کے مقابلے میں غالب کی شاعری پر ابھی زیادہ غور نہیں
 کیا گیا ہے۔ یادگار غالب کے بعد چونکا دینے والا مقالہ ڈاکٹر عبدالرحمن
 بخوری کا تھا جو نسخہ حمید یہ کے ساتھ شائع ہوا۔ اس مقالے میں پہلی دفعہ
 غالب کے ذہن کے اندر سجاوٹ کی کوشش کی گئی۔ ڈاکٹر عبداللطیف نے
 زیادہ غور و فکر کیے بغیر ان میں وہ باتیں تلاش کیں جو خود ان کے ذہن
 میں واضح نہ تھیں۔ محمد اکرام نے غالب کی شخصیت، احوال اور شاعری کے
 بنیادی تعلق کو پیش نظر رکھ کر ایک متوازن تنقیدی جائزہ پیش کیا اور
 گزشتہ چند سالوں میں حمید احمد، ڈاکٹر زور، آل احمد سرور، آفتاب احمد

اسلوبِ فصاحتی، ممتازِ حسین، عبادتِ بریلوی، اخترِ بیوی، اثرِ بختوی اور شیدِ صدیقی
 شوکتِ سبزواری، کلیم الدین احمد، مجنوں گورکھ پوری، تحصیلِ ازمنہ اور
 سید عبدالرشاد اور دوسرے نقادوں نے اپنے اپنے انداز میں غالب کی
 شاعری کے نفسیاتی، جمالیاتی، سماجی، فکری اور انفرادی پہلوؤں کا
 جائزہ لے کر ان کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی۔ کلامِ غالب کے
 مطالعے کے یہ ممنوع انداز غالب فہمی سکے لیے ایک شگونِ نیا کی حیثیت
 رکھتے ہیں لیکن اب بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ غالب کے نظریہ فن، جمالیاتی
 شعور، خیال اور جذبے کے امتزاج کی نوعیت، فلسفیانہ سیلان، تصویریت
 اور حقیقت پسندی، استعمالِ زبان، دورِ جدید کے لیے مقبولیت اور اہمیت
 اور بنیادی تصورات کو موضوع بنا کر تنقیدی مقالات لکھے جائیں تاکہ قومی
 تہذیب اور قومی ادب میں ان کا مرتبہ واضح ہو سکے اور اگر ان کی شاعری میں
 رازِ حیات کی جستجو کرواؤں کو کوئی گہری حقیقت ملتی ہو تو ہمارے زندگی سے
 اس کا رشتہ استوار ہو سکے۔ یہی شعورِ ادب کی تہذیبی اہمیت ہے۔
 غالب ایک "مشر خیال" کا نام ہے جس کی شخصیت رنگا رنگ ہواد

جس کا مجموعہ ”بے رنگ“ بھی رنگ رکھتا ہے، ایک ہی نہیں کئی رنگ، جن کے دیکھنے کے لیے تو انا اور بار یکساں میں آنکھوں کی ضرورت ہے۔ جنھوں نے ان رنگوں کو دیکھا ہے ان کے احساس جہاں اور ادراک تذبذبات میں اضافہ ہوا ہے، ان کی مسرت اور شعور دونوں کی حدیں وسیع ہوئی ہیں اور انھیں اپنے ادب کی روایتوں سے محبت پیدا ہوئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دیوان غالب کا یہ ایڈیشن جن لمبھوں میں پہنچے گا وہ غالب کو اسی نظر سے دیکھیں گے۔

دیوان غالب کا یہ ایڈیشن مطبع نظامی کا پیر کے تقریباً ایک صدی پر اس نے اس ایڈیشن (۱۳۶۴ھ) پر مبنی ہے جس کے متعلق مستمطبات محمد عبدالرحمن نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس کی تصحیح خود جناب سہب سہب غالب نے کی ہے۔ اس کی یہ خصوصیت یہ بھی ہوتی تو یہ کیا کم تھا کہ اس سین رول کٹنگ کے میں اور دیوان غالب ہی ہے جسے پس کر کے راول نے دیکھتے ہوئے ساتھ الہامی کتاب کا درجہ دیا اور جسے خالفتوں نے ڈیڑھ جزو کا ناقص دستاویز قرار دے کر دیوان ہی تسلیم نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ ایڈیشن

سے ”غالبیات“ میں کوئی اہم اضافہ نہ ہو سیکن اس سے انکا نہیں کیا
 جاسکتا کہ اس کی اشاعت غالب کی مقبولیت اور ہر دور کی
 کا ایک اور ثبوت فراہم کرتی ہو۔ میری تمنا ہے کہ دیوان غالب کا یہ
 ”کتاب ننگر ایڈیشن“ مشہور اور مقبول ہو۔

سید احتشام حسین

لکھنؤ یونیورسٹی

۲۵ دسمبر ۱۹۵۶ء

دیوان غالب



کتاب نگر اینڈ مین

غزلیات

نقشِ فریادی ہو کس کی تو خجی تحریر کا
کاو کاو سخت جا بھائے تنہائی نہ پوچھ
کاغذی ہو پیرہن سرگزِ تصویر کا
صبح کرنا شام کا لانا چھبے شیر کا
جذبہ بہ اختیار شوق دیکھا چاہیے
سینہ شمشیر سے باہر ہو دم شمشیر کا
آتشِ داہِ شہیدِ جن جس قدر چاہے کھیلے
مدعا غفا ہو اپنے عالمِ فقر کا

بسکہ ہوں غالبِ اسیری میں بھی آتشِ زیرِ پا
موسے آتشِ دیدہ ہو حلقہ می زنجیر کا

بے تیس اور کوئی نہ آیا بر دے کار
آشفستگی نے نقشِ سویدا کیا درست
صحرایِ مگر بہ تنگی چشمِ سودا تھا
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرا یہ دودھا تھا
تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زباں تھا نہ سودا تھا
ایسا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبقِ حسن و
لیکن میں کہ رفت گمیا اور بود تھا
بے ادبیاں کفن نے داغِ غمِ سب برہاں
میں دور نہ ہر لباس میں ناکِ جود تھا
تیشے بغیر مرنے کے کو کفنِ اس
سرگشتہٗ خدادادِ رسومِ دق و دھن تھا

کہتے ہوں دیں گے ہم دل اگر پڑا یا
 عشق نے طبیعت نے زیست کا مزا یا
 دستِ ارادہ نہیں ہوا اعتمادِ دل معلوم
 سادگی، دُرکاری، بخودی دہشیاری
 غنچہ پھر لگا کھیلنے آج ہم نے اپنا دل
 حائلِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر زنی
 نورِ پندِ واضح نے زخم پر نکاح چھڑکا
 دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا
 دل میں ذوقِ دل و یادِ یاز تک باقی نہیں
 میں عدم سے بھی پیسے ہوں ورنہ غائبِ بار
 رخصت کیجے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں
 دل نہیں تجھ کو دکھاتا درندہ داغوں کی بہار
 دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا یا
 ورد کی دوا پانی ورد سے دوا یا
 آو بے اثر دیکھی تارا بنا رسا یا
 سُسن کو تغافل میں جرات آزا یا
 خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا یا
 ہم نے بار بار ڈھونڈا تم نے بار بار یا
 آگے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا یا
 آتشِ خاموش کے مانند گویا جل گیا
 آگ اس گم میں لگی ایسی کہ جوتھا جل گیا
 میری آہِ آشیں سے بالِ عنقا جل گیا
 کچھ نیاں آیا تھا دشت کا کہ غمرا جل گیا
 اس چراغاں کا کردں کیا کا فرما جل گیا

میں ہوں اور انسرِ دلی کی آرزو غالب کہ دل
 دیکھ کر طرزِ ثپاکِ ابنِ دنیسا جل گیا

شوق ہر رنگ رقیب سر دساں نکلا
زخم نے داؤد دی تنگی دل کی یاد ب
بوسے گل نارا دل دود چراغ محفل
دل حسرت زدہ تھا مادہ لذت درد
چونو آموز نفاہمت دشوار پسند
قیس تصویر کے پڑے میں بھی غریاں نکلا
تیر بھی سینہ بسل سے پر افشاں نکلا
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
کام یاروں کا بعد رب دنداں نکلا
سخت مشکل ہو کر یہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریے نے اک شور اٹھایا غالب

آہ جو تپڑ نہ نکلا تھا سو طوٹاں نکلا

جھکی میں مر گیا ہوتا باب برد تھا
تھا زندگی میں مٹ کا کھٹکا لگا ہوا
تالیف نسخہ اسے دفا کر رہا تھا میں
دل تاجگر کے ساحل ویاے خوں جواب
جانی ہے کوئی کس بخش آمدہ عشق کی
سحاب پارہ سازی دشت زکریا
یہ ناش بے کفن مست خستہ جوں کی ہے
عشق بزد پیشہ طلبگار مرد تھا
اڑنے سے پیشہ بھی مرا رنگ برد تھا
مجموعہ خیال ابھی فردنس برد تھا
اس رہ گزیر میں جلوہ گل آگے گرد تھا
دل بھی اگر گئی تو وہی دل کا درد تھا
نہاں میں بھی خیال بیاباں نور تھا
حق مغفرت کرے شب آزاد مرد تھا

شمارِ سببِ مرغوبِ برتِ شکلِ پسند آیا تماشا بیک لبتِ بردنِ صد دلِ پسند آیا
 پختنِ بے دلیِ فوسیدنیِ سجادِ آساں ہو کشائیش کو ہمارا عقدہٴ شکلِ پسند
 ہوا سے سیرِ گلِ آئینہٴ بے مہرِ ہی متائل

کہ اندازِ بہ نونِ غلطیدنِ بسلِ پسند آیا

دہر میں آنکھیں دستِ اوجہٴ تسبیح نہ ہوا جو یہ وہ لفظ کہ شرمندہٴ معنی نہ ہوا
 سب سے ذلت سے تراکاشی سرکش نہ ہوا یہ زمرِ دہیِ حریتِ دمِ انسی نہ ہوا
 میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ دنا سے چٹوٹوں وہ سنگِ مرمرِ مرنے پر بھی راضی نہ ہوا
 دلِ بزد گاہِ خیالِ تو و ساغرِ ہی ہی گزشتہ بادہٴ سہرِ سنبلِ تقویٰ نہ ہوا
 ہوں تم سے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ بھی خوش منت کشِ گلابِ ناکِ تسلی نہ ہوا
 کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سودہ بھی نہ ہوا

مر گھبرا صد مٹا یک جنبشِ لب کے غالب

نا توانی سے حریتِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

مت لاشِ گرہیِ ز ابد اس قدرِ بے باغ و نالہ وہ ایک قدمِ تہِ ہمِ بخودیاں کے طاقِ نیاں کا
 بیاں کیا ہے بیداد کا دش با سے مژدہ لں کا کہ ہر آلِ قطرہٴ خونِ دانہٴ ہر بیجِ حرباں کا

نہ آئی سہولت قائل بھی مانع میرے نالوں کو
 دکھاؤں گا تماشا دی اگر درست نہ آنے نے
 کیا آئینہ خاتمے کا وہ نقشہ ترے جلوے نے
 مری تعمیر میں مضمحل ہوا اک صورت خرابی کی
 ! گا جو گھر میں ہر سو بسز و دہرائی تماشا کر
 تموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزو میں ہیں
 مہوڑا اک پر تو نقش خیال یار باقی ہے
 بفل میں غم کی آج آپ سوئے ہیں کہیں دیر
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا

نظر میں ہو ہماری جاوہ راہِ فنا غائب

کہ یہ شیرازہ ہو عالم کے بڑے پریشاں کا

نہ ہوگا ایک بیاہاں ماندگی سے ذوق کم میرا

حبابِ مہرِ رفتارِ جو نقش قدم میرا

محبت تھئی چمن سے لیکن اب یہ بے ماعنی ہو
 کہ موجِ بوسے گل سے ناک میں آتا ہو دم میرا

سراپا دہن عشق و ناگزیر الفتِ ہستی عبادتِ برق کی گراموں و رافسوں حاصل کا
 بقدرِ ظن ہو ساقیِ خمارِ تیشہ کا می بھی
 جو تو درلیے می ہو تو میں تیار ہوں حاصل کا

محرم نہیں ہے تو ہی ذابا ہے راز کا
 رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ قطار ہے
 تو اور سوے غیرِ نظرِ باہ تیر تیر
 صرغ ہے ضبطِ آدم میں میرا دگر نہ میں
 ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے
 کاوش کا دل کرے ہو تقاضا کہ ہو مہوز
 یاں در نہ جو جواب ہے پردہ ہے راز کا
 یہ دلت ہے شگفتنِ گل ہا سے ناز کا
 میں اور دکھ تری مزہ با ہے دراز کا
 طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جانگداز کا
 ہر گوشہ بساطِ ہوشِ شیشہ باز کا
 ناخنِ پسترسن اس گڑہِ نیم باز کا

تاراج کا دشمنِ غم، بحرِ الٰہی اسد

میں کہ تھا دُشمنِ گہرا ہے راز کا

بزمِ شاہنشاہ میں اشعار کا دفر کھلا
 شبِ ہونی پھر انجمِ رخشندہ کا منظر کھلا
 یکیدِ یارب یہ درِ گنجینہ گوہر کھلا
 اس تکلف سے کہ گو یا بت کدے کا در کھلا

گرجہ ہوں دیدار پر کیوں دوست کیا کھادوں بے
 کو نہ سمجھوں اس کی باتیں کو نہ پاؤں اس کا بھید
 بے خیال حسن میں حسن مسلسل کا سا خیال
 منہ نہ کھینچنے پر ہو وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
 در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیس پھر گیا
 کیوں اندھیری ہو شبِ غم ہو بلاؤں کی نازل
 آیا ہوں غربت میں خوش جب ہو حادثہ کی حال

اتنیس میں شہد بنماں ہاتھ میں فشتہ کُشا
 پیر کیا کم ہو کہ مجھ سے وہ پرتی سپر رکھلا
 غلہ کا ایک در ہو میری گور کے اندر رکھلا
 زلف سے بڑھ کر نقاب اس شہ رخ کے مخ پر رکھلا
 جتنے عرصے میں مرا پلٹا ہوا بستر رکھلا
 آج اُدھری کو ہے کا دیدہ اختر رکھلا
 نامہ لاتا ہو دشمن سے نامہ بر اکثر رکھلا

اُس کی امت میں ہوں میں سے ہیں کیوں کام بند
 واسطے جس شے کے غالب گنبد بے در رکھلا

شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابر آب تھا
 واں کرم کو غدر بارش تھا عناں گیر خرام
 واں خود آرائی کو تھا سونی پٹنے کا خیال
 بعد نکلنے کیا تھا داں چراغاں آب جو
 یں سر بر شوربے نرانی سے تھا دیوار جو

شعشعہ جزالہ ہر ایک حسد گرداب تھا
 گریے سے یاں چنبہ باش کعب یداب تھا
 یں ہجوم اشک میں تار بنگہ نمایاب تھا
 یں رداں ترکانِ شہم ترستہ نون ناب تھا
 واں دھڑن ناز کو باشش کھواب تھا

یاں نفس کرتا تھا دشمن شمع بزم بخودی
 فرشتے سے تاعرشِ دانِ طاقاں تھا مہرِ رنگ کا
 ناگہاں اس رنگ سے خونِ نابہ پکائے لگا
 نالہ دل میں شبِ انداز اثرِ نایاب تھا
 منہمِ سیلاب سے دل کیا نشاِ آبِ ناز کا
 بازیشِ آیامِ خاکستہ نشین کیا کہوں
 بچہ نہ کی اپنے جنونِ نارسانے درنہ یاں
 آن کیوں پر دانہیں پتے اسیروں کی بجھے
 یاد کردہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا
 انتظارِ صید میں یک دیدہ بے خواب تھا

میں نے رد کا رات غالب کو دگر نہ دیکھتے

اس کے سیلِ گریہ میں گردوں کھن سیلاب تھا

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
 اب میں ہوں اور ماتم یک شہرِ آرزو
 خونِ جگر و دہشتِ مزگانِ یار تھا
 توڑا جو تونے آئینہ شمالِ دار تھا
 گلیوں میں میری نفسِ زکھینے پھر دکھ میں
 جاں داؤد ہوا سے سرِ زہ گزار تھا

موج سراپا بدشت زنی کا نہ پوچھ حال ہر ذرہ ہمیشہ جہ ہر پلغائب دیر تھا
 نہ جانتے تھے ہم جی غم عشق کو پر سب
 دیکھا تو کم برس پہ غنیمت روزگار تھا

بندہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
 گریہ ہے ہر خرابی سے کاشانے کی درد دیوار سے شکے ہو بیاباں ہونا
 داس دیوانگی شوق کہ ہر دم بچہ کو آپ جانا اودھرا دے آپ ہی ہیراں ہونا
 ہوا از بسکہ تقاضا سے نکل کر تا ہو جو ہر آنکھ بھی چاہے جو مذاکاں ہونا
 عشرتِ نعلِ کرباںِ ممانست پوچھو عیدِ نقارہ ہو شمشیر کاٹریاں ہونا
 دے گئے نکال میں ہمہ داشِ مناسبتِ نشا تو ہر اور آپ بے سند زنگِ ثلثاں ہونا
 عشرتِ پارہ دل نہ تم قاتل کلا، لذتِ زمین جگر غرقِ مسکراں ہونا
 کی دے نعل کے بعد ان کی بخت توبہ شے میں زرد و سیاں کا ہستیماں ہونا

میں نے اس چادرِ کپڑے کی سمت غائب
 بس کی قسمت میں ہونا عشق کی گرمیاں ہونا

شب نما بر شوق سانی رہنے نہ اڑتا تھا تا عیساں باد و صورتِ خاں نہ تپا نہ تھا

یک قدم دشتِ دریں و فترامکان کھلا جادہ اجڑے دد عالم دشت کا شیرازہ تھا
مانع دشتِ خرامی ہاے لیلیٰ کون ہو خانہ مجنونِ صحر اگر دے دردِ ازلہ تھا
پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن دست مرمونِ خار خارینِ غارِ زہ تھا

نالہ دل نے دیے ادراقِ سختِ دل بہ باد

یادگارِ نالہ اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

دستِ غنچواری میں میری سعی فرما دیں گے کیا زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھا دیں گے کیا
بے نیازی حد سے گزری بندہ پر درگاہِ ملک ہم کہیں گے حالِ دل اور اپنے فرما دیں گے کیا
حضرتِ ناصح گرا دیں دید و دلِ فرس راہ کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھا دیں گے کیا
اے داں تیغ و کفن باندھے ہوئے جا رہوں میں عذر میرے قتل کرنے میں وہ آبِ لارہ دیں گے کیا
گر کیا ناصح نے ہم کو تیرا چٹایوں سہی یہ جنوںِ عشق کے انداز چھٹ جادیں گے کیا
خانہ زادِ زلفت میں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں ہیں گرفتارِ دقا زنداں سے گھبرا دیں گے کیا

ہو آب اس مہم سے میں خبا غمِ اُلفتِ آہ

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھا دیں گے کیا

یہ زنجیری قسمت کہ دصالِ یار ہوتا اگر اور بیستے رہتے یہی انتظار ہوتا

تسے وعدے پر جسے ہم تو یہ جان چھوڑا جانا
 تری ناز کی سے جانا کہ بندہ تھا احمد بودا
 کوئی میر سے دل سے پوچھے تیرے تیرے کش کو
 یہ کہیں کی دوستی ہو کہ بنے ہیں دست ناصح
 رگ شاہ سے چلتا دودلو کو پھر نہ ٹھمتا
 غم اگر چہ جاں نسل جو یہ کہاں کہیں دل ہو
 کہوں کس سے میں کہ کیا جو شب غم بری بلا ہو
 ہوسے مر کے ہم جو سوا ہو سے کون غرق دیا
 اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہو وہ بکیتا
 کہ خوشی سے مرنے جاتے اگر اعتبار ہوتا
 کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا
 یہ نفس دیاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی نعل ساز ہوتا
 جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
 غم غشٹ کر نہ ہوتا غم رہا روزگار ہوتا
 مجھے کیا بُرا لگتا مرنے اگر ایک بار ہوتا
 نہ کبھی بنا زدا لگتا نہ کیس مزار ہوتا
 جو دنی کی بوجھی ہوئی تو کہیں دینار ہوتا

یہ مسائل قصوت، یہ ترانہ بان غالب

بکھے ہم دلی سمجھتے جو نہ باود خوار ہوتا

ہوس کو ہو نشا عطا کار کیا
 تجاہد پیشگی سے مدعا کیا
 نہ ہو مرنے تو جیسے کا مزا کیا
 کہاں شب اور سپاہ تازہ کیا
 نواز میں باے بیجا دیکھتا ہوں
 شہزادیت باسے رئیس کا نکلا کیا

نگاہ بے محابا چاہتا ہوں تماشے سے تسکین آنا کیا
 فروغِ شعاعِ حق یک نفس ہو ہوس کو پاس ناموس دنا کیا
 نفسِ توحید محیطِ بے خودی ہو تعفنِ فل ہاے ساقی کا گلا کیا
 دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہو غمِ آوارگی ہاے صبا کیا
 دل ہر قطرہ ہو سازِ آنا لہجہ ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
 محابا کیا ہو، میں صفا من، ادا و عرویکہ شہیدانِ بنگہ کا خون بہنا کیا
 سُن 'و غارت گر جنسِ دنا سُن شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
 کیا کس نے جگر داری کا دعویٰ شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا
 یہ قابلِ عہدہِ خیر آزما کیوں یہ کافرِ فتنہ طاقت ربا کیا

بڑے جاں بہر غالب اس کی ہر بات

عبارتِ حیا، اثرِ رتِ نیا، ادا کیا

در خورِ قہرِ غضبِ شب کوئی ہم سا نہ ہوا بچہ نہ رہا، یا ہو کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
 بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں کہ ہم اُلتے پہر آسے درِ کعبہ اگر دانا نہ ہوا
 سب کو قبول ہو دعویٰ تری یکتائی کا رو برد کوئی بُتِ آئینہ بیما نہ ہوا

نہ نہیں ہمارے ہمنامی چشمِ خراباں تیرا ہمسا رہا کبیا ہو گرا چھتا ہوا
 بیٹے ہا دلخیز ہو وہ نالہ کہ اب تک گئی خاک کا رزق ہو وہ نظرہ کہ دریا نہ ہوا
 نام کا میر سے ہو جو دیکھ کہ کسی کو نہ رہا کام میں میر سے ہو جو نشتہ کہ برپا نہ ہوا
 بن موسیٰ ہم ذکر نہ ٹپکے فرائیاب حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا پتھر پتھر ہوا
 قطرب میں دہلہ دیکھانی نہ دے اور جز میں کل کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بیستہ نہ ہوا

کتنی خبر آرم کہ غالب کے اڑے گئے پرزے

دیکھتے رہم بھی گئے تھے، بہت شام ہوا

استدجم وہ جنوں جولان گداسے بے سرو پا ہیں

کہ ہر سرچشمہ مرگان آہو پشتِ حنا رہا ہیں

بڑا بندیر کرمِ تحفہ ہر شرمِ رسائی کا بخوں غلطیدہ صد رنگِ سوئی پارسائی کا
 نہ جہن تماشادوستِ رسوا بے وفا فی کا بہ ہر صد نظر ثابت ہو دغوی پارسائی کا
 زکوۃ حسن دے آہو جلوۂ بینش کہ ہر آسا چراغِ خانہ درویش ہو کا سہ گدائی کا
 نہ مارا جان کر بے جرم غافل تیری گردن پر رہا ماندر خون بے گنہ حق آشنائی کا
 تناسے زبانِ محو سپاس بے زبانی ہو مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بیدست و پائی کا

دہی اک بات ہو جو یاں نفسِ دانِ نکستِ گل ہو چمن کا جلوہ باعث ہو مری رنگیں نوائی کا
 دباں ہر بہت پیغارہ جو نہ بخسینسرِ رموائی عدم تک بے وفا چرچا ہو تیری بو فانی کا
 نہ دے نامے کو آنا طولِ غالب مختصر کھنکھسے

کہ حسرتِ سنج ہوں عرضِ ستم ہا سے جبرائی کا

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا بے تکلفِ داغِ مرہسِ رواں ہو جائے گا
 زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں موتا جو آب پر تو مہتابِ سیلِ حسناں ہو جائے گا
 بے قولوں سوتے میں اُس کے پاؤں پر مگر ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا
 دل کو ہم صرفِ دفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا
 سب کے دل میں جو جگہ تیری جو نوراضی ہوا مجھ پر گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا
 گزنگاہِ گرمِ فرمائی رہی تسلیم ضبط شعلہِ خنس میں جیسے خونِ لگ میں نہاں ہو جائے گا
 باغ میں بچہ کو نہ لے جاوے سیرے حال پر ہر گلِ ترا یک چشمِ خوں نشاں ہو جائے گا
 داسے گر میرا تھا انصافِ محشر میں نہ ہو اب تک تو یہ توقع ہو کہ داں ہو جائے گا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہو دانا استاد

دوستی ناداں کی ہو جی کا زیاں ہو جائے گا

دردِ منت کش دوا نہ ہوا میں نہ اچھتا ہوا بُرا نہ ہوا
 جمع کرتے ہو کیوں قیسوں کو اک تماشا ہوا اگلا نہ ہوا
 ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں تو ہی جب خنجر آزمائے ہوا
 کتنے شیریں ہیں تیرے لبِ رقیب گلاباں کھاکے بے خزانہ ہوا
 ہر خبرِ گرمِ اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں پوریا نہ ہوا
 کیا وہ فرد کی خدائی تھی بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
 جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
 زخمِ گردِ بگیا ہو نہ ٹھہرا کامِ گرِ لک گیا زدا نہ ہوا
 رہزنی ہو کہ دستانِ ہر لے کے دلِ دلِ ستاں دانا نہ ہوا

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سنرا نہ ہوا

لگے ہر شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا گھر میں محو ہوا اضطرابِ دریا کا
 یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسِ کتبِ مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا
 خاے پائے خزاں ہے بہار اگر ہو یہی دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیشِ دنیا کا

غمِ فراق میں تکلیف سیرِ باغِ زود مجھے دماغ نہیں خندہ باغِ بیجاہ
 ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں گرتے ہو ہرگز موم کا مہم چشمِ بیسنا
 دل اُس کو پہلے ہی ناز و اداسے بیٹھے ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کو
 نہ کہہ کر یہ بہ مقدارِ حسرتِ دل ہو مری نگاہ میں بد جہم و خرج و ریا کا
 فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو یاد کسے

جنتا میں اس کی ہر انداز کا فرما کا

قطرہ ہو بسکہ حیرت سے نفسِ درموا خطِ جاہم ہو سرا سر کشتہ گو سرا
 اعتبارِ عشق کی حسنا نہ خرابی دیکھنا غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پہ ہوا
 جب بقریبِ سفر یار نے محلِ باندھا پیشِ شوق نے ہر ذرت پہ اکڑاں باندھا
 ابنِ پیش نے یہ حیرت کدہ شوقِ ناز جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا
 میں اُمید نے پاکِ عربہ میدان مانگا بحرِ بہت نے طلسمِ دل سائل باندھا

نہ بندھے تشنگیِ ذوق کے مضمونِ غالب

گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی سائل باندھا

میں آدر بزمِ محسوسوں قشہ کام آؤں گڑ میں نے کی کھٹی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

ہر ایک تیر جس میں دونوں چھوڑے پڑے ہیں وہ دن گئے کہ اپنا دل سے حبس کر چڑا تھا
 در ماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جاؤں
 جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا
 گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا جس سر گر بکرنہ ہوتا تو بیاباں ہوتا
 تنہائی دل کا گلہ کیا یہ وہ کا فردل ہو کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
 بعد یکسر دروغ بار تو دیتا بارے
 کاش رخصتاں ہی دریا کا دریاں ہوتا
 نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈوبیا بھوکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
 ہوا جب غم سے بون جس تو غم کیا سر کے کٹنے کا نہ ہوتا اگر جدا تن سے تو زانو پر دھس ہوتا
 ہوئی لذت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہو
 وہ ہر اک بات پر کنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا
 ایک ذرہ زمیں نہیں بیکار باغ کا یاں جادہ بھی نقیلہ ہولائے کے باغ کا
 بے درکھے ہر طاقت آشوب آگئی کھینچی ہر عجز حوصلہ نے خطا یاغ کا
 جس کے کاروبار یہیں نہ رہا ہے گل کہنے ہیں جس کو عشق حسد میں ہر دماغ کا

تازہ نہیں ہو نشہ فکیر سخن مجھے تریاکی مستیدیم ہوں دود چراغ کا
 سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے پر کیا کریں کہ دل ہی عدد ہو چراغ کا
 بے خون دل ہو چشم میں توج نگہ غبار یہ سیکرہ خرابی کے ہو کے سراغ کا
 باغ شگفتہ تیرا بساط نشا دل
 ابر بہار غم کدہ کس کے دماغ کا

دہ مری چین حبس سے غم نہاں سمجھا رازِ مکتوب بہ بے ربطی عنواں سمجھا
 یک الفیث نہیں صیقِل اُسیسہ ہنوز چاک کڑا ہوں میں جب کے کڑیاں سمجھا
 شرح اسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
 بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرم حشر ام بخ پہ ہر قطرہ عرق دیدہ حیراں سمجھا
 عجز سے اپنے یہ حساب نا کہ وہ بد خو ہو گا منض خس سے پیش شعلہ سوزاں سمجھا
 سفر عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی ہر قدم سائے کریں اپنے شبستاں سمجھا
 کھا گریزاں مژہ یار سے دل تا دم مرگ دفع پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا
 دل دیا جان کے کیوں اس کو ونا دار اسد
 غلطی کی کہ جو کما سنہر کو سماں سمجھا

پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا دل جگر تشنہ فر یاد آیا
 دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوا پھر ترا وقت سفر یاد آیا
 سادگی ہاے تمستا یعنی پھر وہ نیرنگی نظر یاد آیا
 عذیر و اماندگی امی حسرتِ دل نالہ کو تماکتا جگر یاد آیا
 زندگی یوں بھی گزر رہی جاتی کیوں ترا راہ گزر یاد آیا
 کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی گھر ترا حشود میں گر یاد آیا
 آہ! وہ جراتِ فریاد کہاں دل سے نگا کے جگر یاد آیا
 پھر ترے کوچے کو جاتا ہر خیال دل گم گشتہ مگر یاد آیا
 کوئی دیرانی سی دیرانی ہو دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ رہا کین میں ہست

سنگسٹا اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

مہرئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا
 تم سے بیجا ہو مجھے اپنی تباہی کا رگل اس میں کچھ شائبہ خوبیِ قصہ پر بھی تھا
 تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بستادوں کبھی قراک میں تیرے کوئی بخیر بھی تھا

قید میں ہو ترسے وحشی کو دہی زلف کی یاد
 بجلی اک کو ندگی آنکھوں کے آگے تو کیا
 ہاں کچھ اک رنج گراں باری زنجیر بھی تھا
 کو گڑ بیٹھے تو میں لائی تفسیر بھی تھا
 بات کرتے کہ میں لب تشہ قہر بر بھی تھا
 نالہ کرتا تھا۔ دے طالب تاسیر بھی تھا
 ہم ہی آشفہ سردی میں وہ جواں میر بھی تھا
 آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا
 ہم سقے مرثے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ ہی
 پکڑے جلتے ہیں فرشتوں کے لکھے پناہ حق
 آدمی کوئی ہمارا دم خسرو بر بھی تھا

ریختے کے تھیں استاد نہیں ہو غالب

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی تیر بھی تھا

لب خشاک در شکی مردگاں کا زیارت کدہ ہوں دل آزدگاں کا

ہنسنا امید می ہنس بدگمانی

میں دل ہوں فریب دستا خوردگاں کا

تو دست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا اوروں پہ چودہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

چھوڑا میر غشب کی طح دست قضا نے غور شد منور اس کے برابر نہ ہوا تھا

لوفت باندازد بہت ہو ازل سے آنکھوں میں ہو وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
 شب تک کہ نہ دیکھتا تھا تیرا کد عالم میں مقصدِ فتنہ محشر ہوا تھا
 میں ساوہ دل آزدی کی بار سے خوش ہوں یعنی سبقتِ شوق مکرر نہ ہوا تھا
 دریا سے معافی نہ آئی سے ہوا خشک میرا سر داس بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
 جاری تھی اس قدر داغِ جگر سے بے تحصیل

آتش کدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

شب کہ وہ مجلسِ فروزِ خلوتِ ناموس تھا رشتہ ہر شمعِ حنا وِ کموتِ قانوس تھا
 مشہدِ عارضِ شوق سے کوسوں تک جو اگتی ہو جتا کہیں تیرا باربِ ہلاکِ حسرتِ پاؤں تھا
 حاصلِ اُلفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو دل بہ دل پیوستہ گویا اک لبِ انوس تھا

کیا کہوں تیرا ہی غم کی فراغت کا بیاں

جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیوس تھا

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لیکے رہ گئے صاحب کو دل نہ دینے پہ کٹنا غرور تھا

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ مارے

اُس کی خطا نہیں ہو یہ میرا قصور تھا

عرصہ نبیاءِ عشق کے قابل نہیں رہا
 جاتا ہوں داغِ حسرتِ مہتی لیے ہوئے
 مرنے کی اکو دل اور ہی تدبیر کر کہ نہیں
 برودے شمشِ جہت درِ آئینہ باز ہو
 واکر دیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن
 گو میں رہا رہینِ ستم باے روزگار
 دل سے ہواے کشتِ وفارِ ٹمکنی کہ داں
 بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر ہمدرد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
 رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے خلاص جیہٹ!
 عقل کہتی ہے کہ وہ بے وکرس کا آشنا
 ذرہ ذرہ سا غریبِ محنت نہ نیزگاہ ہو
 گودیشِ جنوں چپکے کھائے لیلِ آشنا
 شوق ہو۔ ساماں طراوتِ نازیش آ رہا بجز
 ذرہ سحرِ استگاد و قطرہ دریا آشنا
 عافیت کا دشمن اور آدمی کا آشنا
 میں ایک آفت کا گیارا وہ دل دشمنی کہ ہو
 میرا ڈانڈو نہیں اور آئینہ تیرا آشنا
 شکوہ سب رشک ہمہ گیر نہ ہونا چاہیے

بہ یک شیرازہ دشت میں ایسے بہار سبزہ بیگانہ صبا آوارہ گل نا آشن
 کوہ کن نقاش یک مثال شیریں تھا اسد
 سنگے سر مار کر ہوئے نہ پیدا آشنا

ذکر اس پوری دشت کا اور پھر بیاں اپنا بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں پنا
 کوہ کیوں بہت پیتے بزم غیر میں یار ب آج ہی ہوا منظور اُن کو امتحاں پنا
 منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے عرش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکان پنا
 دے وہ جس قدر ذلت ہم نفسی میں ٹالیں گے بارے آشنا نکلا اُن کا پاس بیاں پنا
 درِ دل لکھوں کب تک بباؤں اُن کو دیکھاؤں اُنٹلیاں نکار اپنی حسامہ خو نکلاں پنا
 گھٹے گھٹے رٹ جاتا آپ نے عبت بدلا ننگ بجد ہ سے میرے ننگ آستان پنا
 تا کرے نہ غمت نازی کر دیا ہو دشمن کو دوست کی شکایت میں ہم نے ہم زبان پنا
 ہم بکناں کے دانا تھے کس ہز میں تھی تھے

بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

مہر مہر مفت نظر میں مری قیمت یہ ہو کہ ہے چشم زیدار یہ احساں میرا
 رخت نہ مجھے سے کہ ببادانہ لم ترے چہرے سے ہو ظاہر غم پناں میرا

غاسل بہ دہم نماز خود آدا ہو در نہ پاں
بے شانہ صبا نہیں طسّرہ گیاہ کا
بزم مستوح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ
صید ز دام جستہ ہو اس دام گاہ کا
رحمت اگر قبول کرے کیا بے سید ہو
شر مشدگی سے عذر نہ کر ناگناہ کا
مقتل کو کس نشاۃ سے جاتا ہوں میں کہ ہو
پُر گل خیال ز جسم سے دامن نگاہ کا

جہاں در ہواے یک نگہ گرم ہو آسہ

پر دانہ ہو وکیل ترے داد خواہ کا

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
کھتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھائیں کیا
رات دن گردش میں بیات آسماں
ہوئے گا کچھ نہ کچھ گھبراؤں کیا
لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگا و
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
ہو لیے کیوں نامہ بر کے ساقہ ماقہ
بارب اپنے خطا کو ہم پہنچائیں کیا
موج خوں سر سے گز رہی کیوں نہ جلے
استان بارے اٹھ جائیں کیا
عمر بھر دیکھائے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہو

کئی بستل د کو ہم بستلائیں کیا

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی چمن زنجیر جو آئینہ بد و بداری کا
 حریف جو شش و دریا نہیں خود واری رہی رہی
 جہاں ساتی ہو تو باطل ہو بدخونی ہو شبی کا

عشرت قطرہ ہو دریا میں فنا ہو جانا درد کا تیر سے گزرتا ہو دوا ہو جانا
 تجھ سے قسمت میں مری صورت نفل ابجد تجھ لکھا بات کے بہت ہی بداد ہو جانا
 دل ہوا کشمکش چارہ زمت میں تمام مٹ گئی گھنٹے میں اس شمع کا دوا ہو جانا
 اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اثر اس مست درد شکن ارباب فنا ہو جانا
 ضعف سے گریہ مبتدل بد و بد ہو جانا باد آ یا، مسیں پانی کا دوا ہو جانا
 دل سے مٹنا ترسی بخشش خالی کا خیال ہو گئی گوشت سے ناخن کا دوا ہو جانا
 ہو مجھے آئینہ ہماری کابریں کھٹکنا روتے روتے غم فرقت میں نشا ہو جانا
 گر نہیں نکلت گل کو ترے کیچے کی ہوس کیوں ہو گرد و نہ جولا بن صبا ہو جانا
 تا کہ بچہ پر کھلے اعجاز ہوا سے صیقل دیکھ برسات میں سبز آئینے کا دوا ہو جانا

بختے ہو جلوہ گل ذوق تماشا غالب
 چشم کو چاہیے ہر رنگ میں دوا ہو جانا

پھر ہوا دقت کہ ہو بال کشا موج شراب
 پڑچھمت وجہ سیہ مستی اور بابِ سپہن
 جو ہوا غرتہ کو بخت رسا رکھتا ہو
 ہی یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہو اگر
 چاہ موج اٹھتی ہو طوفانِ طرب کے ہر سو
 جس تند روح بناتی ہو جگر نشہ نماز
 بسکہ ددڑے ہو رگ تاک میں خوں ہو ہو کر
 نو سب گُل سے چراغاں ہو گز رکاوہ خیال
 نشتے کے پرے میں ہو محو تاشائے دماغ
 ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیتِ فصل
 شرح ہنگامہ ہستی ہو ہے موسمِ گل

ہوش اڑتے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ اسد
 پھر ہوا دقت کہ ہو بال کشا موج شراب

ت

افسوس کہ دیدار کا کسبِ رزق نہ کرنے جن لوگوں کی تھی درخورِ عقیدہ گزشت
 کافی ہو نشانی تری پھسلے کا نہ دیتا خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفرِ گشت
 نکلتا ہوں اسدِ سوزِ پیشِ دل سے سخنِ گرم
 تارِ کمانہ سکے کوئی مرے حوت پر انگشت

ہا اگر کوئی تا قیامت سلامت پھر اک روز مرنا ہی حضرت سلامت
 جگر کو مرے عشقِ نازِ بہ شرب لکھے ہی خداوندِ نعمت سلامت
 علی المرتضیٰ دشمنِ شہید و فدا ہوں مبارک مبارک سلامت سلامت
 نہیں گزرد برگِ ادراک معنی

تماشاے نیرنگِ صورتِ سلامت

نہ گھٹیں کھولنے ہی کھولنے اٹھیں غالب یاد لائے مری بانیں اُسے پر کس وقت
 اسدِ خط سے ہوا ہی سر و جو بازارد دست و دِ شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسار دوست
 اکو دلِ نا عاقبت اندیشِ ضبطِ شوق کر کون لا سکتا ہی تابِ جلوہ دیدار دوست
 خانہ دیراں سازی حیرت تماشا کیجیے صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتہ رفتہ دوست

نما سب نگر ایذا پیش

عشق میں بیدار رہ شکبِ غیر نے مار مجھے
 چشم مار دشمن کہ اس بیدار کا دل شاد ہو
 کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمار و دست
 دیدہ پر خوں ہمارا ساغر سرشار و دست
 بے تکلف دوست ہے کیوں غم خوار و دست
 مجھ کو دیتا ہے پیام و حدیث دیدار و دست
 سر کرے ہی وہ حدیثِ لطف عنبر بار و دست
 ہنس کے کرتا ہے بیانِ خوشی گفتار و دست
 یا بیاں بچھے سپاسِ لذتِ آوار و دست
 یہ غزل اپنی مجھے جس سے پسند آئی ہو آپ
 ہو رویتِ شعر میں غالب زبیں تکرار و دست

ج

گلشن میں بند و بست بہ رنگِ گر ہو آج
 شہری کا طوق حلقہ بربور ہو آج
 اتنا ہو ایک پارہ دل ہر فغاں کے ساتھ
 تارِ نفسِ کمتہ شکار اثر ہو آج
 اے عافیتِ خارہ کراہی انتظامِ چیل
 سیلابِ گریہ در پڑ دیوار و در ہو آج

وہم مرئیں عشق کے بیمار دار ہیں اچھا اگر نہ ہو تو کسی کا کیا علاج

تج

ففس ز جسم آرد سے باہر کھینچ اگر شراب نہیں شطرا ساغر کھینچ
کمال گرمی معنی ملائی دید نہ پوچھ یہ نہ آب خار مرے گھٹنے سے جو بر کھینچ
بچھ بہانہ راحت ہو انتظار اور دل کیا ہو کس نے اشارہ کہ ناز بستر کھینچ
تری طرف ہو بہ حسرت نظارہ نرگس بہ کوری دل چشم رقیب ساغر کھینچ
بہ نیم غمزہ ادا کر حق و دعیت ناز پیام پر وہ ز جسم جگر سے خنجر کھینچ

مرے مسیح میں ہو صہبائے آتش پہناں
برے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ

و

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد بارے آرام سے ہوا بل جفا میرے بعد
منصب شیفگی کے کوئی تابل نہ رہا ہوئی معز دلی انداز دادا میرے بعد
شمع بجھتی ہو تو اس چمک دھواں اٹھتا ہو شعلہ عشق سیر پوش ہوا میرے بعد
خوں ہو دل خاک میں دل بتاں پر عیسیٰ ان کے ناخن ہوئے محتاجِ خنا میرے بعد

درِ خورِ عرین نہیں جو ہر سبیداد کو جہا
 جو جنوں اہل جنوں کے لیے آغوشِ دواع
 کان ہوتا ہے حریمِ تو مردانِ عشق
 عشق سے مرزا ہوں کہ آنا نہیں بنیاں کوئی
 نگہِ ناز ہے سرے سے خفا میرے بعد
 چاک ہوتا ہے نگہِ بیاں سے جہا میرے بعد
 ہر کر رلب ساقی میں حملہ میرے بعد
 دکرے قمریت ہر دوشا میرے بعد
 آئے ہو بے کسی عشق پہ دنا غالب
 کس کے گھر جاؤں گا سیلابِ بلا میرے بعد

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر دردِ دیوار
 دُورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ
 نہیں ہے سایہ کہ سن کر فویدِ مہم یار
 ہوئی ہے کس قدر اُرد زانی کو جسدِ
 نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر دردِ دیوار
 کہ ہو گئے سرے دیوار دردِ دیوار
 گئے ہیں چند قدمِ پیشتر دردِ دیوار
 کہ مست اترے کچے میں ہر دردِ دیوار
 کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر دردِ دیوار
 کہ گر پڑے سرے پاؤں پر دردِ دیوار
 ہوئے خدا دردِ دیوار پر دردِ دیوار
 وہ آ رہا ہے ہمایے میں تو سلیے سے

نظر میں کھٹے جو بن تیرے گھر کی آبادی ہمیشہ رتے ہیں ہم دیکھ کر دردِ دیوار
 نہ بوجھ نہ خودی عیشِ مقدمِ سیلاب کو نہ لپکتے ہیں پڑے سرسبز دردِ دیوار
 نہ کہنسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں

حریفِ رازِ بخت مگر دردِ دیوار

گھر جب بنا لیا ترے در پر کئے بغیر جانے گا آبِ بھی تو نہ مرا گھر کئے بغیر
 کہتے ہیں جب ہی نہ مجھے طاقتِ سخن جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کئے بغیر
 کام اُس سے آ پڑا ہو کہ جس کا بہان میں لیوے نہ کوئی نامِ بستمگر کئے بغیر
 جی میں ہی کچھ نہیں ہو ہمارے دگر نہ ہم سر جکے یا ہے نہ ہیں پر کئے بغیر
 چھوڑ دوں گا میں نہ ان ت کا فر کا چہنا چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کئے بغیر
 مقصد ہی نازدِ غمرہ دے گفتگوں کام پلتا نہیں ہو دشمن و خیر کئے بغیر
 ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتِ سگر بنتی نہیں ہو بادہ دسار کئے بغیر
 بہراہوں میں تو چاہیے دونا ہوا تفات سنتا نہیں ہوں بات مکر کئے بغیر

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار سحر
 ظاہر ہو تیرا حال سب اُن پر کئے بغیر

کیوں جیل گمانہ تاب رخ یار دیکھ کر
آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے
کیا آبرو دے عشق جہاں عام ہو جفت
آتا ہو میرے قتل کو پر جوش رشک سے
ثابت ہوا ہو گردن مینا پہ خونِ حلق
واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
ز تار باندھ سببِ صدوانہ کوڑ ڈال
ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
کی بدگماں ہو مجھ سے کواٹھنے میں مرے
گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدحِ خوار دیکھ کر

سر پہوڑ نادہ غالب شوریدہ حال کا

یاد آ گیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

لڑتا ہو مراد دل زحمتِ مہر درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ موخاں بیاباں پر

نہ چھوڑی حسرتِ پُرسفائیاں بھی نازِ آریائی
 زنا فیلسفِ درسِ چو دی ہوں اس زمانے سے
 فرائض کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے
 نہیں اسلیم الفتن میں کوئی طومارِ نازِ ایسا
 مجھے اب دیکھ کر اب ہر شفقِ آلودہ یاد آیا
 بکسرِ پروازِ شوقِ نازِ کیا باقی رہا ہوگا
 سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہو زنداں پر
 کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دہشتاں پر
 ہم گرجا کرتے پارِ بابِ دلِ مشکِ اس پر
 کہ پشتِ چشم سے جس کی نہ ہوئے ہر عنوان پر
 کہ فرقت میں ہی اکٹھن برسی تھی گلستاں پر
 قیامت اک ہوا سے مند ہو خاکِ شہیداں پر

نہ رہا ناصح سے غالب کیا ہوا اگر اس شدت کی

ہمارا بھی تو آہستہ زور چلنا ہو گریباں پر

جو بکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشاں اور
 یارب رہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
 اُبرو سے ہو کیا اس نگرِ ناز کو پیوند
 تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب انہیں گے
 ہر چند سبائے دست ہوئے بیتِ شاعری میں
 جو خونِ جگر جوش میں دل کھول کے روتا
 کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہی گماں اور
 دست اور دل اُن کو چہ نہ دے مجھ کو زباں اور
 جو یہ محبتِ ریزہ ریزہ کی ہو کماں اور
 لے آجنگے باز اُسے جا کر دل و جہاں اور
 ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہو شاگِ گراں اور
 ہوتے جو کئی دیدہ خوں ناپہ نشاں اور

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سُر اڑ جائے جلاؤ کو لیکن وہ کئے جائیں کہ ہاں اور
لوگوں کو ہو خورشید جہاں تاب کا دھوکا ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور
یتانہ اگر دل تھیں دیتا کوئی دم حسین کہ تا جو نہ مَر تا کوئی دن آہ و فغاں اور
ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہو اندازِ بیاں اور

صفائے حیرت آئینہ ہو سامانِ رنگِ آخر تغیر آبِ برجا ماندہ کا پاتا ہو رنگِ آخر
نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدمیرِ دشت کی
ہوا جامِ زمر و بھی مجھے داغِ پناہ آخر

جنوں کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی گریباں چاک کا حق ہو گیا ہو میری گردن پر
برنگِ کاغذِ آتش زدہ نیزنگِ بیتابی ہزار آئینہ دل باندھے ہو بال یک پیدن پہ
فلک سے ہم کو عیشِ رفتہ کا کیا کیا تقاضا؟ متاعِ پردہ کو سمجھے موسے میں فرضِ ہزن پر
ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہو شعاعِ ہر سے ہمتِ نگر کی چشمِ روزن پر
فنا کو سونپ کر مشتاق ہو اپنی حقیقت کا فروغِ طالعِ غاشاک ہو موتِ کائنات پر
اسدِ بل ہو کس انداز کا قاتل سے کہنا ہو کہ شوقِ نازِ کر خون و دِ عالم میری گردن پر

ستم کس مصلحت سے ہوں کہ خوبان تجھ پر عاشق ہیں
 تھکت بہ طرف مل جائے گا تجھ ساریب آخر
 لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
 تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور
 مٹ جائے گا سرگرترا پتھر نہ کیسے گا
 ہوں در پہ تم سے ناحیہ فرسا کوئی دن اور
 آئے ہوکل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
 مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور
 جاتے ہو سے کہتے ہو قیامت کو میں گے
 کیا خوب قیامت کا ہو گیا کوئی دن اور
 ہاں اک فلک پر جواں تھا کبھی عارف
 کیا میرا جگر تاجو نہ مرنے کوئی دن اور
 مہ ماہ شب چارہ ہم تھے مرے گھر کے
 پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ وقت کوئی دن اور
 تم لوگوں سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
 کرنا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
 مجھ سے تھیں نفرت سی تیرے رٹائی
 بچوں کا بھی دیکھا نہ تھا کوئی دن اور
 گزری نہ بہر حال یتیمت خوش و ناخوش
 کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب

قسمت میں ہو مرنے کی نسا کوئی دن اور

نہ

نارغ تجھے نہ جان کہ ما تدریج و آخر ہو داغ عشق نہ نیست جب کہن ہنوز

ہر نازِ مفلسان ز رازِ دستِ رفتہ پر ہوں گلِ زردش شوخیِ داغِ کھن ہنوز
سیسِ خانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
خمیا زہ کھینچے ہر بُتِ بیداد فن ہنوز

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فنونِ نیاز دُعا قبول ہو یا رب کہ عمرِ خضر و راز
نہ ہو بہ ہرزہ بیاباں نورد دہم و جود ہنوز تیرے تصور میں ہی نشیب و خراز
وصالِ جلوہ تماشایِ پردہ داغ کہاں کہ دیکھے آئینہ انتظار کو بردار
ہر ایک ذرہ عاشق ہی آفتابِ پرست گئی نہ خاک ہوئے پر ہولے جلوہ ناز
نہ پوچھو دستِ میخانہ جنوں غالب

جہاں بہ کاسے گردوں کی ایک خاک انداز
دستِ بری کرم دیکھ کہ سترِ اسر خاک گزائے کی آبلہ پا ابر کھر بار ہنوز
یک عالم کا غذا آتشِ زده کی سسخت و رشت
فحشِ پامیں ہو تب گرمیِ رشت رہنوز

کیوں کر اس بُت سے رکھوں جانِ عزیز کا نہیں کی مجھے ایساں عزیز
دل سے نکلا یہ نہ نکلا دل سے ہر ترے تیر کا پیانِ عزیز

کتاب لائے ہی بیٹے کی عنایت

والتحسیر سحت ہو اور جان غسزینہ

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز
تو اودھ آرا فتنِ نسیم کا گل
لافت تسکین فریبِ سادہ دلی
ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد
دہ بھی دن ہو کہ اُس شکر سے
نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں
اک ترا غمزہ یکِ مسلم انگیز
تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو
مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا
میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ شاہ تمام ہوا

اک دورِ عیشادہ رند شاہِ پاز

س

مرزودہ اے ذوق اسیری کہ نظر آتا ہو
 دامِ خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس
 جگر تشنہ آزارِ تسلی نہ ہوا
 جے خون ہم نے بہانی بنِ خزار کے پاس
 منہ گئیں کھولتے ہی کھولتے آٹھیں ہو ہو
 خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس
 میں بھی رُک رُک کے نہ مارتا جو زبان کے بدلے
 دشنہ اک تیز سا ہوتا ہے غم خواہ کے پاس
 دہن شیر میں جا بیٹھے لیکن اے دل
 نہ کھڑے ہو جیسے خوبانِ آزار کے پاس
 دیکھ کر چھ کو چسبن بسکہ نہ کرتا ہو
 خود بخود پہنچے ہو گل گوشت و تار کے پاس
 مر گیا پھوٹ کے سرِ غالبِ وحشی ہو ہو
 بیٹھنا اس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

ش

نہ لبوے گر خوں جو ہر طرادت سبزہ خط سے
 لگا دے غنائِ آئینہ میں روئے نگارِ آتش
 فردِ غ حسن سے ہوتی ہو حسنِ مشکلِ عاشق
 نہ نکلے شمع کے پاس سے نکالے گرنہ خارِ آتش

ع

جادو رہ خود کو دقتِ شام ہو تا در شمع
چرخ داکر تا ہو ماہِ نو سے آغوشِ دواع

مُخ نگاہ سے ہو سوزِ جادو دانی شمع
زبانِ اہلِ زباں میں ہو مرگِ حساموشی
دُک سے ہو مروت بہ ایلے شعلہ قصہ تمام
غم اس کو حسرتِ پرواز کا ہو آگِ شعلہ
ترے خیال سے مدحِ بہتر اذ کرتی ہو
نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ
جیسے ہو دیکھ کے بالینِ یار پر تجھ کو
ہوئی ہو آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع
یہ بات بزم میں ردِ سخن ہوئی زبانِ شمع
بطرزِ اہلِ فنا ہو فنا نہ خواہی شمع
ترے لرزے سے ظاہر ہو نا تو دانی شمع
بہ جلوہ ریزیِ باد و بہ پر فشانِ شمع
شکفتگی ہو شہیدِ گلِ حسرتِ دانی شمع
نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگانی شمع

ف

ہم رقیب سے نہیں کرتے دواعِ ہوش
جھوٹیاں تاکِ موے او اختیارِ حیات
جلتا ہو دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل سگئے
اک نامتِ ساری نفسِ شعلہ بارِ حیات

ک

زحسم پر چھڑکیں کہاں طفلان بے پروا نک
گردِ راہِ یاد ہو سامان نازِ زحسمِ دل
مجھ کو اُرد زانی رہے تجھ کو مبارک ہو جیو
شورِ جولاں تھا کنارِ بحرِ پرلِس کا کہ آج
داد دیتا ہو مرے زحسمِ جگر کی واہ داد
چھوڑ کر جانا تیرے بھڑح عاشقِ حیف ہو
غیر کی منت نہ کھینچوں گا پڑ و فیرورد
کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نک
در نہ ہوتا ہو کہاں میں کس قدر پیدا نک
نالہ بیل کا درد اور خندہ گل کا نک
گردِ ساحل ہو بہ زحسمِ موجِ دریا نک
یاد کرتا ہو مجھے دیکھے ہو وہ جس جا نک
دل طلب کرتا ہو زخم اور مانگے ہیں اعضا نک
زخمِ مشیل خندہ قاتل ہو مہرِ پایا نک

یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ بد ذوق میں

زحسم سے گرتا تو میں ملکوں چنتا تھا نک

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
وامِ ہر موج میں ہو حلقہٴ صد کامِ نہنگ
عاشقی صبرِ طلب اور مٹنا بیتاب
ہم نے مانا کہ فغانِ نہ کر کے لیکن
کون بیستا ہو تیری زلف کے سر ہونے تک
دھکیں کیا گزرتے ہو قسطِ بہر ہونے تک
دل کا کیا زناں کر دے خونِ جگر ہونے تک
نال ہو جائیگے ہم تم کو خبر ہونے تک

پر تو خور سے ہوشنم کو فنا کی تعلیم میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر مہونے تک
 ایک نظر بیش نہیں فرصت ہی غافل گڑھی بزم ہواک قصہ شر مہونے تک
 عنہم مستی کا اتہ کس سے ہو جو مرگ علاج
 شمع ہر زندگ میں جلتی ہے سحر مہونے تک

گ

گر تجھ کو ہر یقین اجابت دُعا نہ مانگ یعنی بغیر ایک دل بے مدعا نہ مانگ
 آتما ہو داغ حسرتِ دل کا شہادہ یاد مجھ سے مرے گنہ کا حجابِ دُعا نہ مانگ

ل

ہو کس قدر ہلاک فریبِ دُعا سے گل بیل کے کار و بار پہ میں خندہ ہاں سے گل
 آزادئی نسیم مبارک کہ ہر طرف ڈوٹے پڑے ہیں حلقہء و اہم ہوا سے گل
 جو کھتا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا او دے نالہ لبِ خویش نو اسے گل
 خوش حال اس حریفِ بیہ مست کا کہ جو رکھتا ہو مہشل سائے گل سر پہ پا سے گل
 ایجاد کرتی ہو اسے تیرے لیے بہار میرا قیب ہو نفسِ عطر سا سے گل
 شرمندہ رکھتے ہیں مجھے باوہب سارے مینا سے بے شرابِ دل بے ہوا سے گل

سلطوت سے تیرے جلوہ حسن غیور کی خوں کی مری نگاہ میں رنگِ ادا سے گل
تیرے ہی جلوے کا ہو یہ صُحُوحا کہ آج تک بے اختیار و دڑے ہو گل و رقص گل
غالب مجھے ہوا اس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہو گل جیبِ قبا سے گل

غم نہیں ہوتا ہو آزادوں کو بیش از یک نفس برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
مخفیس برہم کرے ہو گنجفہ باز خیال ہیں ورق گردانی نیزنگ یکت خانہ ہم
باد جو دیک جہاں منگامہ پیدائی نہیں ہیں سپرِ اغانِ شہستانِ دل پر دانہ ہم
ضعف سے ہو ذوقِ ناعیت یہ ترک جستجو ہیں دیالِ تکیہ گاہِ ہمت مردانہ ہم
دائمِ کجس اس میں ہیں لاکھوں تمنا میں اسد
جاننے ہیں سینہ پڑخوں کو زنداں خانہ ہم

یہ نالہ حاصلِ دلِ لنگی فراہم کر متاعِ خانہ زنجیرِ جز صد معلوم
مجھ کو دیا رِ غیر میں مارا وطن سے دور رکھ لی مرے خدا نے مری بکسی کی شرم
وہ حلقہ ہاں زلفِ کمیں میں ہے اور خدا رکھ لی جو سے سرِ دعوی دارِ استگی کی شرم

ن

وہ ام بختِ خفہ سے یک خواب خوش دے
غالب یہ خوف تو کہ کہاں سے ادا کروں

وہ فراق اور وہ دُعاں کہاں وہ شبِ روزِ ماہ و سال کہاں
فرصتِ کار و بار شوقِ رکے ذوقِ نظرِ اُردو جمال کہاں
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا شورِ سوئے خط و حال کہاں
بھئی وہ اک شخص کے قصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں
ایسا آساں نہیں ہو رونا دل میں طاقِ جگر میں حال کہاں
ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق داں جو جاوے گرہ میں مال کہاں
نکر دنیا میں سر کھیلاتا ہوں میں کہاں اور یہ وبال کہاں
مضمحل ہو گئے قومی غالب

وہ عنصر میں اعتدال کہاں

کی دُعا ہم سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں ہوتی آئی ہو کہ اچھٹوں کو بُرا کہتے ہیں
آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے کہنے جلاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
 دل میں جیسے ہی ہوتی ہے جو فرصت غمش سے
 ہی پرے سے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
 پائے انگار پہ جب سے تجھے رتم آیا ہو
 اک شمرہ دل میں ہو اس سے کوئی گہرا ٹنگا کیا
 دیکھتے لاتی ہو اس شوخ کی نخوت کیا رنگ
 جو خود غمش کو اندر رہا کہتے ہیں
 اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں
 قبیلے کو اہل نظر قبیلہ نہا کہتے ہیں
 غارِ رہ کو ترسے ہم ہر گیا کہتے ہیں
 آگ مطلوب ہی ہم کو جو ہوا کہتے ہیں
 اُس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں
 وحشت و شہقت اب مرثیہ کہیں شاید

مرگیا غالب آشفہ نوا کہتے ہیں

اُپر دیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں
 ضعف کے اور گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
 ہو گئے ہیں جسمِ اجزاء نگاہِ آفتاب
 کیا کہوں تارِ بکی زندانِ غم اندھیرا ہو
 بدلتی تہی ہو عشقِ خانہ دیراں ساز سے
 زخم سلوانے سے بچہ پر چارہ بونی کا ہو طمن
 ہو گریباں ننگ پیرا من جو دامن میں نہیں
 رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کے دامن میں نہیں
 ذرے اس کے گھر کی دیوار کے زین نہیں
 چنبہ نور صبح سے کلم جس کے رد زن میں نہیں
 انجن بے سمع ہو گر برق سن میں نہیں
 غیر سمجھا ہو کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

نصابِ نگرانیہ پیش

بسکہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے ماشے ہوئے جلوہ گُل کے سوا گرد اپنے برفِ میں نہیں
 قطرہ قطرہ اک بیوی ہوئے ناسور کا خوں بھی ذوقِ درد سے فانی ہوئے تن نہیں
 سنے گئی ساقی کی نچوٹ قلمِ آشامی مری موجِ بک کی آج رگِ مینا کی گردن نہیں
 ہونٹا رخصت میں کیا تاوان کی نمود قدم کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے فن میں نہیں

بھئی وطن میں شان کیا غالب کہ ہر بیت میں قدر

بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلشن میں نہیں

نہدے سے بیجِ ناز کے باہر نہ آسکا گراک ادا ہو تو اسے اپنی نضاکھوں
 حلقے میں چشمِ ہلے کشادہ ہوئے دل ہر تارِ زلف کو نگہِ سرِ ساکھوں
 میں اندر صد ہزار زلے جگرِ خراش تو اور ایک وہ شنیدن کی اکھوں
 ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ

ہر ہو خدا نہ کر وہ بچنے بے وفا کھوں

مہرباں ہو کے بلا لے مجھے چاہو جس وقت میں گیا دقت نہیں ہوں کہ پھر آج بھی نہ سکوں
 ضعف میں ملنے اغیار کا شکوہ کیا ہو بات کچھ سر تو نہیں ہو کہ اکٹھا بھی نہ سکوں
 نہ ہر ملتا ہی نہیں مجھ کو شکرِ در نہ کیا قسم ہو ترے ملنے کی کہ کب بھی سکوں

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مہرستی ایک دن
غمرۂ ارج بنائے عالمِ امکاں نہ ہو
در نہ ہم چھڑیں گے رکھ کر غدرستی ایک دن
اس بلندی کے نصیبوں میں مہرستی ایک دن
زنگ لادے گی ہماری قاتلِ مہرستی ایک دن
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ مہرستی ایک دن
نغمہ لادے غم کو بھی آدھ دلِ غنیمت جانیے

دھول و چٹا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں

ہم ہی کو بیٹھے تھے غالب پیشِ دستی ایک دن

ہم پر تنگ سے ترک و فاکا گماں نہیں
کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ حاصل
اک چھڑ ہو کر نہ مراد امتحاں نہیں
پرکشش ہو اور پائے سخن درمیاں نہیں
ناہر باں نہیں ہو اگر مہر باں نہیں
آخر زباں تو رکھتے ہو تم گرد ہاں نہیں
ہر چند جہاں گدازی قہر و عتاب ہو
جاں مطربِ ترانہ بل من مزید ہو
لب پر دہ سنج زمرۂ الاماں نہیں
دل میں چھری چھو مزہ گر خوشچکاں نہیں
ہر عارِ دل نفسِ گر آذرِ نشاں نہیں
ہر تنگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو

نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گئے خراب سو گز زمیں کے بدلے سیاہاں گراں نہیں
 کہتے ہو کیا لکھا ہو تری سر نوشت میں گویا میں یہ سجدہ بُت کا نشان نہیں
 پاتا ہوں اُس سے دوا کچھ اپنے کلام کی روح القدس اگرچہ مرا ہم زبان نہیں
 جاں جو بہرے سے دے دے کیوں کہے ابھی
 غالب کو جانتا ہو کہ وہ ینم جاں نہیں

مانع دشت لوروی کوئی تدبیر نہیں ایک چکر ہو مرے پاؤں میں زنجیر نہیں
 شوق اُس دشت میں درائے ہو مجھ کو کہ جہاں جادو غیر از نگہ دیدہ قصور نہیں
 سرت لذت آزار رہی جاتی ہو جادو راہِ دلتا جز دمِ خم شیر نہیں
 بچ لڑمیدی جادوید گوارا رہو خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں
 سر کھجاتا ہو جہاں زخم سراجچھا ہو جائے لذت سنگ باندا زہِ مفتسر نہیں
 جب کرم رخصت ہے باکی دگستاخی دے کوئی تقصیر بجز خجالتِ نقصیر نہیں
 غالب اپنا یہ عقیدہ ہو بقول ناسخ
 آپ بے بہرہ ہو جو مستقد میر نہیں

مست مرد کا دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں میں سمع سویدا سے دلِ چشم میں آہیں

برشکال گریہ عاشق ہو دیکھا چاہیے کھل گئی ماسند گل سو جا سے دیوارِ چین
 اُلفت گل سے غلط ہو دعویٰ وارستگی
 سرد ہو : اوصفت آزادی گر قنارِ چین

عشق بیاہیے کفر و مہر نہیں جاں سپاری شجرِ بید نہیں
 سلطنت دستِ بدست آئی ہو جامِ موی خاتمِ جمشید نہیں
 ہو تجلی نری سامانِ وجود ذرہ بے پروا نورِ شید نہیں
 رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے در نہ مہرِ جا نے میں کچھ بھید نہیں
 گردِ شبنم زنگِ طرب سے ڈار ہو غمِ حسرتِ ہی حبِ ابد نہیں
 کہتے ہیں جیسے ہیں اُمید پہ لوگ
 ہم کو جیسے کی بھی اُمید نہیں

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
 دلِ آشفٹگاں نساں کچھ ذہن کے سویدا میں کسیرِ عدم دیکھتے ہیں
 ترے سرِ وقامت سے اک قدمِ آدم بجھے کس مقامات ہم دیکھتے ہیں
 تماشاکر ہو آئینہ دارِ ہی قیامت کے دستے کو کم دیکھتے ہیں

سراغِ قتبِ نالہے داغِ دل سے کہ شہرِ دہ کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
 بسا کر فقیرِ دہ کا ہم بھیس غالب
 تماشا سے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

مفتی جو خوسے یار سے نہ رہا القاب میں
 کہے ہوں کیا بتاؤں بہانِ خسیر میں
 نا پھر : انتظار میں سیسہ آٹے عمر بھر
 وعدہ کے آتے آتے خطا اکابر لکھوں
 مجھ تک کہ کعبان کی بزم میں آتا تھا درجہ بام
 جو سن کر دُعا ہو فریب اُس پہ کیا چلے
 میں مضطرب ہوں دُعا میں خوفِ رقیب سے
 میں درحفاظِ وصل خدا سازِ بات ہو
 جو تیور کی چڑھتی ہوئی اندر نقاب کے
 لاکھوں لگا دیا کہ چرانا رنگا ہ کا
 دہ نالہ دل میں خس کے برابر چکر پڑا ہے

کمانسہ ہوں گرنہ ملتی ہو راحت نذاب میں
 شبِ بے ہجر کو بھی رکھوں گزِ حساب میں
 آسے کا عہد کر گئے آسے جو خواب میں
 میں جانتا ہوں جو وہ نکلیں گے جواب میں
 ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
 کیوں بہ گناہ ہوں دستِ دشمن کے باب میں
 ڈالا ہو تم کو وہم نے کس پتہ دنا ب میں
 جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
 ہو اک شکن چرمی ہوئی 'طرتِ نقاب میں
 لاکھوں ہنسا دیا کہ بگڑنا عتاب میں
 ہیں نالہ سے شکر گزشتہ پڑے آفتاب میں

وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی

پیتا ہوں روزِ ابر و شبِ مانتاب میں

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں
ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک تھی پسند
جاں کیوں ننگے لگتی ہوتی سے دمِ سماں
رُخس میں ہو رخنِ عمر کہاں دیکھے تھکے
اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہو
اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہو
ہو مشتمل نمودِ سور پر و جو و بحیر
شرم اک ادا سے ناز ہو اپنے ہی سے سہی
آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہر سوز
ہو غیبِ غیبِ سب کو سمجھتے ہیں ہم شہود
غالبِ ندیم دوست کے آتی ہو بوسے دوست

یہ سوئے نعلن ہو ساقی کو ترکے باب میں
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں
گردہ صد اسمانی ہو چنگ و رباب میں
نہ اچھ باگ پر ہو نہ پا ہو رکاب میں
جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں یحِ دتاب میں
حیراں ہوں پھر شاہدہ کی کس حساب میں
یاں کیا دھرا ہو قطرہ موج و حباب میں
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
پیشِ نظر ہو آئینہ و اکمل نقاب میں
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں
مشغول ہی ہوں بندگیِ بوتراب میں

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیوں جگر کو میں
 چھوڑا نہ رنگ نے کہ ترے گھر کا نام لوں
 جانا پڑا قریب کے در پر ہزار بار
 ہو کیا جو کس کے پاندھیے میری بلا ڈرے
 وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے رنگ و نام ہو
 چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
 خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
 پھر خودی میں بھول گیا راہ کوے یار
 اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل و ہر کا
 متدور ہو تو ساتھ رکھوں ہنسر گھر کو میں
 ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہ ہر کو میں
 اک کاش جانتا نہ ترے رہ گئے کو میں
 کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں
 یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
 کیا پوچھا ہوں اس بُت بیدار کو میں
 جاتا و گزرتا ایک دن اپنی خبر کو میں
 سمجھا ہوں و سپذیر متاع ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوار سمت نہ ناز

دیکھوں غلی بہادر عالی گھر کو میں

ذکر میرا پر بدی بھی اُسے منظور نہیں
 وعدہ سیرِ گلستاں ہو خوش طالع شوق
 شاہد ہستی مطلق کی کمر ہو عالم
 غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
 مزد و فتنہ مسل مقدر ہو جو مذکور نہیں
 لوگ کہتے ہیں کہ ہو پر ہمیں منظور نہیں

نظر اپنا بھی حقیقت میں ہو دریا لیکن
 حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ ہی
 ہیں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں
 نظم کر خط لے لے لے لے لے لے لے لے لے لے
 صاف دیکھ کر کہیں پیمانہ جم ہیں ہم لوگ
 ہوں غلو دہی کے مقابل میں بخفانی غالب
 میرے دعوے پہ یہ جھٹ پڑ کہ مشہور نہیں

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہیں
 عشق و مزدوری عشرت کو بستر کیا خوب
 کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ دستِ ملام
 اہل بنیش کو ہو طوفانِ عواذت مکرب
 داسے مرد می تسلیم و بد اس حال و نا
 رنگ شکستِ گلِ دالہ پریشاں کیوں ہو
 سب کچھ کے تے بند کرے ہو گل چیں

ہم کو قہرِ تیرا نکاحِ ظرفی امنصور نہیں
 عشق پر تیرا ہر گونہ کی گونہ نہیں
 کس رعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم خود نہیں
 تو تمنا نسل میں کسی رنگ سے معذ نہیں
 داسے وہ بادہ کہ افشردہ انگو نہیں
 ہوا قہارِ جفا شکوہ بیدار نہیں
 ہم کو تسلیم نہ کو نامی نہ سرا د نہیں
 دشت میں ہو کچھ وہ عیش کی گھرا د نہیں
 لعلِ موج کم از سیلی استاد نہیں
 جانتا ہو کہ ہمیں طاقت فرما د نہیں
 گر پڑا خان کس پر رہ گزر باد نہیں
 مزدور اے شرح کہ کھزار میں صیاد نہیں

نفی سے کرتی ہوا شب اسات زادش گویا دی ہو جلتے دہن اس کو دم ایک یاد نہیں
 کہ نہیں جلوہ گری میں نہ کو سج سے بہشت ہی نقشہ ہو ملے اس مست در باد نہیں
 کرتے کس منہ سے ہو عزت کی شکایت غالب
 تم کو بے مری یا راہن وطن یاد نہیں
 وہ بون بہان دیکھے وہ سمجھے یہ خوش رہا یاں آ پڑی یہ شرم کی تھوڑ کیا کریں
 تجھ سے تھوڑ کے ہر مقام پہ دو چار رو گئے تیرا پتلا پائیں تو نا چار کیا کریں
 عیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم
 ہو غم ہی جاں گداز تو شمع خوار کیا کریں
 ہو گئی ہو غیر کی شیریں بیلنی کا در عشق کیا اس کو گمان ہم بے زبانوں پر
 قیامت ہو کہ کس بیلنی کا دشت نہیں ہے آنا تعجب ہے وہ بولایوں بھی ہوتا ہوا زمنے میں
 دل نازک پہ اس کے جسم آتا ہو مجھے غالب
 نہ کر سر گرم اس کا شمر کو الفت آتا نہیں
 دل لگا کر لگ گیاں کو بھی تنہا بھیتا باسے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی وادیاں
 ہیں زوال آباد و اجزا آفرینش کے تمام عمر گردوں پہ چسپاں رخ رہ گزرا بادیاں

یہ ہم جو بحر میں دیوار دور کو دیکھتے ہیں کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
 وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت پر کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
 فطر لگے نہ کہیں اس کے دستِ دباؤ کو یہ لوگ کیوں مرے زخیمِ جگر کو دیکھتے ہیں

تمے براہِ سرِ طربِ کلہ کو کیا دیکھیں

ہم اور جِ طالعِ نعل و گھر کو دیکھتے ہیں

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں شبِ فراق سے دورِ حسرتِ زیاد نہیں
 کوئی کہے کہ شبِ نہم میں کیا بُرائی ہو بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں
 جو آؤں سامنے اُن کے تو مرجانہ کہیں جو جادوں اُن سے کہیں کو تو خیر باد نہیں
 کبھی جو یاد بھی آتا ہوں تو کہتے ہیں کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں
 علاوہ غید کے ملتی ہو اور بھی شراب گدا سے کو چھ مینخانہ نامراد نہیں
 جہاں میں ہو غم و شادی ہم سہیں کیا کام دیا کہ ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں

تم اُن کے وعدے کا ذکر اُن سے کیوں کرو غالب

یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

تیرے دُسن کو صبا باندھتے ہیں ہم بھی سنموں کی ہوا باندھتے ہیں

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہو ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
 تیری فرصت کے مقابل اے عمر برق کو پا بہ جھٹکا باندھتے ہیں
 قید ہستی سے رہائی معلوم اشتاک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
 نشہ رنگ سے ہوا شد گل مست کب بند قبا باندھتے ہیں
 غلطی ہائے مضامین مست پوچھ لوگ نملے کو رہا باندھتے ہیں
 اہل تدبیر کی واماندگیاں آبلوں پر بھی حسنا باندھتے ہیں

سادہ پرکار ہیں خواباں غالب

ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

زمانہ سخت کم آزار ہو بجاں اسد دگر نہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں
 دامن پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
 یوں گردشِ مدام سے گھبرانہ جائے دل انسان ہوں پیالہ و ساعز نہیں ہوں میں
 یاد ب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہو کس لیے لوح جہاں پہ حرفِ مکر نہیں ہوں میں
 حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے آخر گناہ گار ہوں کانسہ نہیں ہوں میں
 کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے نعل و زمر و دزد و گویہ نہیں ہوں میں

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ
کرتے ہو مجھ کو منع قدمبوس کس لیے
رُتبے میں مہر و ماہ سے کتر نہیں ہوں میں
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

غالب و ظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دُعا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے بڑا نہیں ہوں میں

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آریاں
تھیں نہایت نفس گردوں کو پست میں نہاں
قدیم میں یعقوب نے لی گوشتِ یوسف کی خبر
سب رقیبوں سے ہونا خوش پر زمانِ مصر سے
جو سے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہو شامِ ذوق
ان پر ہی زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
نہیں اس کی سو دماغ اس کا ہو تہاں اس کی ہاں
میں سپن میں کیا گیا گو یاد بستاں کھل گیا
وہ نگاہیں کیوں ہوئی بجاتی ہیں یارب کے پار
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ بہناں ہو گئیں
لیکن آنفیش و نگار طاقِ نسیم ہو گئیں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کوئی آن ہو گئیں
لیکن آنکھیں روزِ دیوارِ زندان ہو گئیں
ہو زلیخا خوش کہ جو ماہِ کنگسان ہو گئیں
میں یہ بچوں گا کہ شمعیں و دُزدان ہو گئیں
قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر داں ہو گئیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
بلبلِ سن کر مرے نائے نزلِ خواں ہو گئیں
جو مری کوتاہی قسمت سے مڑ گاں ہو گئیں

بسکہ روکائیں نے اور سینے میں بھرے دیہہ کی
 داس کیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
 جال سنرا ہو باد جس کے ہاتھ میں تلام آگیا
 ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہو ترک رسوم
 نغ سے خوگر ہوا انسان بوٹ جاتا ہو رنج
 میری آہیں بخیہ پاک گر رہاں ہو گئیں
 یاد تھیں جتنی دُعائیں سرٹ رہاں ہو گئیں
 سب لکیریں ہاتھ کی گو یارگ رہاں ہو گئیں
 ملتیں حبیبؔ تھیں جزلے ایمان ہو گئیں
 مشکلیں بچہ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گر دو تار با غالب کو اہل ہماں
 دیکھنا ان بستیوں کو تم کردیراں ہو گئیں

دیوانی سے دوش پہ نہ تا بھی نہیں
 دل کو نسیا ز حسرت دیدار کر چکے
 ملتا تھا اگر نہیں آساں تو سہل ہو
 بے عشق غم کٹ نہیں سکتی ہوا دریاں
 شوریدگی کے ہاتھ سے ہو مہرِ بال دوش
 کجائش عداوتِ اغیار کا سہل طرف
 ڈر نالہ ہاے زار سے میرے خدا کو مان
 یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 دشوار تو یہی ہو کہ دشوار بھی نہیں
 طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں
 صحرا میں اک خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 بان ل میں ضعف کے ہوس یار بھی نہیں
 آہ زو لہے مرغِ گرفتار بھی نہیں

دل میں ہو یار کی صفِ مزگانِ رکشی حال آں کہ طاقتِ خلشِ حسا بھی نہیں
اس سادگی پہ کون نہ مر جائے دیو خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بار بار

دیوانہ گر نہیں ہو تو ہشیار بھی نہیں

نہیں ہو زخم کوئی بخیہ کے درخو مرے تن میں ہوا ہو تارِ اشکِ یاسِ شبنمِ سوزن میں
ہوئی ہو مانعِ ذوقِ تماشا حسانہ ویرانی کھنکھ سیلابِ باقی ہو برنگِ پیہِ دزن میں
وہ بختِ خانہ بیداد کا دُشِ لے مزگانوں نگین نام شاید ہو مے ہر قطرہ خون تن میں
بیاں کس سے ہو ظلمت گسری میرے شبستان کی شب ہو چور کی دینِ پیہ دیواروں کے رذن میں
نکو ہش مانعِ بے ربطی شورِ حسنوں آئی ہوا ہو خندہ احبابِ بخیہ حبیبِ ددا من میں
ہوے اس مہر دہش کے جلوہ تمثال کے آگے پرافشاں جو ہر کینے میں مثلِ ذرہ رذن میں
نہ جہانوں نیکانوں یا بدہوں پر صعبتِ محال ہے جو گل ہو تو ہوں گلخن میں جو خنکس تو ہوں گلشن میں
ہزاروں دل دیے جو ہش جنوںِ عشق نے مجھ کو سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن میں

اسد زندانیِ تاثیر الفت ہاے خوباں ہوں

حسنِ دستِ نوازش ہو گیا ہو طون گردن میں

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
 مگر غبارِ مہرے پر ہوا اُٹالے جاٹے
 یہ کس بہشتِ شمائل کی آمد آمد ہو
 بھلا اُسے نہ سہی کچھ بھی کورسہ آتا
 خیالِ جلوۂ گل سے حزاب میں میکش
 ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
 سو اسے خونِ جگر سو جگر میں خاک نہیں
 دگر نہ تابِ دواں ہال پر میں خاک نہیں
 کہ غیر جلوۂ گل رہ گزریں خاک میں
 اثرِ مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں
 شرابِ ثنائے کے دیوارِ در میں خاک نہیں
 سو اسے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد
 کھلا کہ فائدہ عینِ ہمز میں خاک نہیں

دل ہی تو ہونے لگا خشتِ در سے بھر نہ آئے کیوں
 دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آتاں نہیں
 جب وہ جمالِ دل فردِ صورتِ مہر نیم روز
 دشنے غمزہ جافتاں نادک ناز بے پناہ
 قیدِ حیاتِ بندِ غمِ ہل میں دونوں ایک ہیں
 حسنِ ادا اس پہ حسنِ ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم
 رد میں گئے ہم ہزار بار کوئی نہیں تائے کیوں
 بیٹھے ہیں وہ گزریں ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں
 آپ ہی ہو فطارہ سونہ پرے میں منہ چھپائے کیوں
 تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیوں
 موت سے پہلے آدمی غمِ نکاحات پائے کیوں
 اپنے پہ اعتماد ہو غیر کو آزار تائے کیوں

داں دہ غرور عز و نازیباں یہ حجاب پاس دھنوع
راہ میں ہم میں کہاں بزم میں دہ بلائے کیوں
ہاں وہ نہیں خدا پرست جادوہ بے دفا سہی
جس کو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جاؤ کیوں

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

دوئے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیوں

غنیہ ہمشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں
پرسش طرز دلبری کیجیے کیا کہ بن کئے
اُس کے ہر اک شاہ سے نکلے ہو یاد ا کہ یوں
رات کے وقت چہ پیے ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں
غیرے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے
سمنے آن بٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں
بزم میں اُس کے رہو کیوں نہ خوش بیٹھئے
اس کی تو خامشی میں بھی ہو ہی نہ عا کہ یوں
میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی
سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں
تجہ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح
دیکھ کے میری بخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں
کب مجھے کو سے یار میں رہنے کی دھنوع یاد تھی
آئندہ وار بن گئی حیرت نقش پا کہ یوں
گزرے دل میں ہوا خیال وصل میں شوق کا زوال
مہج محیط اکب میں ہے ہر دست دیا کہ یوں
جو یہ کہے کو ریختہ کیونکے ہو رشاک فارسی
گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

سست دل گر سرد ہو گرم تر شاہر (۹) چشم نگاہ شاید کثرت نظر رہے دایم
 بقدر حسرت دل تباہیے ذوق معاشی تہی بہر دل ایک گوشہ دامن گر آب بہشت دریا ہو
 اگر وہ سردوت بگرم خرام ناز آ جا دے

کعب ہر شاہک گلشن گل فری ناز فرسام

بجھتے میں جا رہا تو نہ دو جھٹ کیا کہیں بھولا ہوں حق صحبت اہل کشت کو
 طاعت میں تامل ہے نہ خود انگہیں کی دل دہشت میں ڈال دو کوئی سہ درہشت کو
 ہوں منہ زنت نہ کیوں رہ دو رسم تو ابے بیڑھا لگا ہو قط تسلیم سزاوت کو

غالب کچھ اپنی سچی سے لہنا نہیں مجھے

خزمن جیلے اگر نہ لگا کھائے کشت کو

درستہ ان سے ہیں کہ محبت ہی کیوں ہو
 چھوڑا نہ مجھ میں خدمت نے رنگ اختلاف کا
 یہ مجھ کو کچھ سے تذکرہ غیر کا رنگ
 پیدا ہوئی ہے کتنے ہیں ہر درد کی دوا
 ڈال نہ بے کسی سے کسی سے معاملہ
 یہ مجھے ہمارے ساتھ خداوت ہی کیوں ہو
 ہر دل پر پارفتشس محبت ہی کیوں ہو
 ہر چہرہ بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو
 یوں ہو تو چارہ ٹہم الفت ہی کیوں نہ ہو
 اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

ہم آدھی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہنگامہ زبانی ہمست ہو انقباض
دارستگی بہانہ بیگانگی نہیں
مٹتا ہو فوت فرصتِ ہستی کا غم کوئی
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
ماہل نہ کیجے دہرے عبرت ہی کیوں نہ ہو
لپست کر نہ غیرے وحشت ہی کیوں نہ ہو
عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو
اس شمعِ خو کے درے اب اٹھتے نہیں سہ

اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

قفس میں ہوں گرا چھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
نہیں گم ہمدی آساں نہ ہو یہ رشاک کیا کم؟
نہ بکھڑا آنکھ ست تیری اک آنسو اس جرات پر
خدا اشرفائے باغوں کو کہ رکھتے ہیں نشان میں
ابھی ہم نکل گئے کا دیکھا آساں سمجھتے زیر
ہو پڑ پیا جو میرے پاؤں کی نہ بخیر بننے کا
خوشی کیا کمیت پر میرے اگر سو بار بار آئے
دفاداری بشرِ استواری اس ایماں ہو
مرا ہونا بڑا کیا ہو ذرا سنجان گلشن کو
نہ دے ہوئی خدا یا آرزو سے دست دشمن کو
قیامت میں جس نے خوشچکاں مرگان زن کو
کبھی سے گریباں کو بھی زبان کے دامن کو
ذیر دینا شناد جو نے خوں میں سے تو سن کو
کیا بیتاب کاں میں جنبش جو سرنے آہن کو
سمتتا ہوں ڈھونڈھے ہی ابھی سے برقِ بھن کو
مے بت ننانے میں تو کبے میں گاؤں برہن کو

شہادت تھی وہی قسمت میں جودن تھی یہ خوجہ کو
 نہ لٹسٹاؤن کو کب نہ ات کو یوں بے خبر سوتا
 جہاں تلوار کو دیکھ جھکا دیتا ہٹا گردن کو
 با گتہ کمانہ چوری کا دغا دیتا موں ہزن کو
 سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جو یا ہوں جو اہر کے
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب
 فریدن و بسم کیخسر دو داراب دہمن کو

دھوتا ہوں جب میں پیئے کو اس سیم تن کے پاؤ
 دی سادگی سے جان پڑوں کو کھن کے پاؤ
 رکھتا ہوں نقد سے کھینچ کے باہر لکڑی کے پاؤ
 ہیما ت کیوں نہ ٹوٹ گئے پیر زن کے پاؤ
 ہو کر اسیر دلتے میں راہ زن کے پاؤ
 تن سے سوا نگار میں خستہ تن کے پاؤ
 ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کھن کے پاؤ
 اڑتے ہوئے اچھتے ہیں مرغ چمن کے پاؤ
 دیکھتے ہیں آج اس نسبت نازک بدن کے پاؤ

غالب مرے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو
 بیٹا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پاؤ

داں س کو بول لے تو یاں میں ہوں شرمسار یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو
 اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم کو دیکھ
 افسانہ تاکہ دیدہ پنخیر سے نہ ہو

داں پہنچ کر جو عشق آتا پڑ ہم جو ہم کو
 صدرہ آہنگا نہیں بوس قدم جو ہم کو
 دل کو سیرا در بھے دل جو وفار کھتا ہو
 کس قدر ذوق گرفتاری ہم جو ہم کو
 صدفست نقش پڑ مور جو طوق گردن
 تیرے کہے سے کہاں طاقت ہم جو ہم کو
 جان کر کے تغافل کہ کچھ اُمید رہی ہو
 یہ نگاہ غلط انداز تو قسم جو ہم کو
 رشک ہم طرحی دور و اثر بانگ تریں
 نالہ مرغِ سحر تیغ و دودم جو ہم کو
 سر اڑانے کے جو وعدے کو سکر چھا ہا
 ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم جو ہم کو
 دل کے خون کرنے کی کیا وجہ لیکن ناچار
 پاس بے رونقی دیدہ اہسم جو ہم کو
 تم وہ نازک کہ نموشی کو نقاں کہتے ہو
 ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم جو ہم کو
 لکھنؤت کا باعث نہیں کھلتا یعنی
 ہوس سیر دلت ناشادہ کم جو ہم کو
 متطیع سلسلہ اشوق نہیں ہو یہ سہسر
 عزم سیرِ غیبت و طوفِ حرم جو ہم کو
 لے جاتی ہو کہیں ایک توقع غالب
 جادوۂ رہ کشمکش کافِ کرم جو ہم کو

تم جاؤ تم کو غیرے جو رسم و راہ ہو
 بچے نہیں مو ا خذہ و دوزخ شر سے
 زیادہ بھی بے گنہ کن و حق ناسپاس ہیں
 ابھر اہل ا فغاب میں ہوا ان کے ایک تار
 جب میسکہ چھٹا تو پھر آب کیا جگہ کی تید
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
 مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کب گناہ ہو
 ستار اہل اگر رقیب ہو تو تم گناہ ہو
 مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو
 مرنا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
 لیکن خدا کرے وہ ترا بلوہ گاہ ہو
 نہالت بھی گرنے ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں

دُنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
 ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہی نام ہمال
 آدب ہو اور یہی کش مکش تو کیا ہے
 تھیں کہو کہ گوارا صہم پرستوں کا
 کہتے ہو تم اگر دیکھتے ہو اسے نہ
 جتنے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا
 کئے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو
 کو گرنے ہو تو کہاں جا میں ہو تو کیونکر ہو
 حیا ہو اور یہی گو مگو تو کیونکر ہو
 بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو
 جو تم سے شہر میں ہوں ایسے تو کیونکر ہو
 وہ شخص دن نہ گئے رات کو کیونکر ہو

ہیں پھر ان سے امید اور اُٹھیں رہی تندر
ہماری بات ہی پوچھیں نہ دو تو کیونکر ہو
غلط نہ تھا ہمیں خطا پرگماں تسلی کا
نہ مانے دیدہ ویدار جو تو کیونکر ہو
بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو تیرا
یہ نیش ہو رگ جہاں میں فرد تو کیونکر ہو
مجھے جسٹوں نہیں غالب دے بقول حسنہ
سراپ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

کسی کوئے کے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو
وہ اپنی خونہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں کریں
کیا غم خوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر کھوڑنا کھٹھرا
قفس میں مجھ سے روداد چن کہتے نہ ڈر ہم دم
یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
غلط ہو جذب ل کا تلوہ دیکھو جرم ش کا ہو
فیتنہ آدمی کی خانہ دیرانی کو کب کم ہو
یہی ہو آنا تو ستا ناکس کو کہتے ہیں
نہ ہو جہیل ہی سینے میں تو پھر منہ میں پاں کیوں ہو
بات سرین کے یا پوچھیں گے ہم سے سرگراں کیوں ہو
نہ لاشے، نہ جٹ غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو
تو پھر آؤ سنگ دل تیرا ہی سنگ آستان کیوں ہو
گرمی ہو جس پہ کن بجلی وہ میرا آستان کیوں ہو
کہ سب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں نہاں کیوں ہو
یکھنیو گرتے اپنے کو کنا کش درمیاں کیوں ہو
ہوے تم دست جس کے دشمن اس آسمان کیوں ہو
عدو کے ہو لیے تب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

کیا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے سنے میں رسوائی
 بجا کتنے دوج کتنے ہو پھر کیسوں کو ہاں کیوں ہو
 نکالو چاہت ہو کام کیا اٹھنوں سے تو غالب
 زسے بے مہر کتنے سے وہ تھوڑے ہاں کیوں ہو

یہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
 ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم نہ ہاں کوئی نہ ہو
 بے درد دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
 کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاس ہاں کوئی نہ ہو
 پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو بیمار دالہ
 اور اگر مر بیٹے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو



از مہر تابہ ذرہ دل دل ہو آئینہ
 طوطی کو شش بہت مقابل ہو آئینہ
 ہو سبزہ زار سرد رود دیوار غم کدہ
 جس کی بہاریہ ہو پچھ اس کی خزاں ہو چھ
 نا چاہے بے کسی کی بھی سرت اٹھائیے
 و شکاری رہ دستم ہم ہاں نہ ہو چھ



صد چاہے رد ہر دم جو مرگاہ اٹھائیے
 طاق کبک اں کو دید کا احساں اٹھائیے
 ہو شاگ پر برات معاش جنون عشق
 یعنی ہنوز منت طفلان اٹھائیے
 دیوار بار منتب مزدور سے جو حسم
 اکی خاں خاں خراب نہ احساں اٹھائیے

یا سیر ز تنم رشک کو رسوا نہ کیجیے
یا پردہ تمہیں پنہاں اٹھائیے

مسید کے زیر سایہ خرابات چاہیے
عاشق مہربان پہ بھی الٹا ورٹھیں پر
دے دادا بختک دل حسرت پرست کی
سیکھے ہیں منہ رنوں کے لیے ہم مہواری
خوسے غرضن نشاط ہو کس رو سیاہ کو
ہو رنگ لالہ دکن نسریں جدا جدا
سریاے تنم پہ چاہیے ہنگامہ بخودی
یعنی کسب گردن پہ پیمانہ صفات
بھولوں پاس آنکھ قبلہ حاجات پائیے
اتر سستم کی کچھ تو نکافات چاہیے
ہاں کچھ نہ لکھ لانی ماضیات چاہیے
نقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے
اک گونہ بخودی جگہ در رات چاہیے
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے
دوسرے قبلہ وقت مرقبات چاہیے
عارف ہمیشہ مست خواہات چاہیے
نشوونما سواہل سے غالب فرات کو

ناموشی ہی سے نکلے ہر جوابات چاہیے

بسا باعجز میں تھا ایک دل کا پتہ خون بھی
جسے اس شوخ سے آزدہ ہم چندے کلف سے
سورستا ہی بہ انداز چکیدن سرنگوں وہ بھی
کلفت بڑاٹ تھا ایک انداز جنوں وہ بھی

خیال مرگ کب تسکین دل آزدہ کو بخشنے
مرے دامن میں ہیں جو اک سید زبوں وہ بھی
نہ کرتا کوشش ناز مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدرد
کہ ہو گا باعث افزائش درد دروں وہ بھی
نہ آتا بڑش تیغ جفا پر ناز و سنہر باد
مے دریا بہتیابی میں جو اک موج خوں وہ بھی
موتِ عشرت کی خواہش ساقی کر دوس کیا بھیجے
لیے بیٹھا جو اک دوچار جامہ دازگوں وہ بھی

مرے دل میں ہو غالب شوقِ بے شکونہ تجراں
خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں گی

جو بزمِ بیتاں میں سخن آزدہ لبوں سے
تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوش اند لبوں سے
جو دور قبح و جبر پریشانی سہسبا
یاک بار لگا دو خم کو میرے لبوں سے
رندان در سیکرہ گستاخ ہیں زاہد
نہ ہمارے ہونا طریت ان بے ادبوں سے
بیدار و قادیان کہ جاتی رہی آہنر

ہر چند مری بان و نہار بے لبوں سے

کہ ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
شیں لیتے ہیں گو ذکر بہار نہیں کہتے
غالب ترا احوال شادیں گے تم ان کو
وہ شیں کہے بلا لیں یہ اجار نہیں کہتے

گھر میں بٹھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرنا
 غم دُنیا سے گر پانی بھی فرست سرائٹھانے کی
 کھیلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یارب
 پستنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہو
 انھیں منظور اپنے زنجیروں کا دیکھ آتا کھتا
 ہمای سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا
 لکھ کو ب حواوٹ کا تھل کر نہیں سکتی
 وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہو
 فلک کا دیکھنا آقرب ترے یا د آسنے کی
 قسم کھاتی ہو اس کا ذن کا غزنے کے جلانے کی
 دے مشکل ہو حکمتِ دل میں سو زغم چھپانے کی
 اٹھتے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی
 ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہیدِ عباسی کی
 مدی طاق کھنا من تھی توں ناز اٹھانے کی

کہوں کیا خوبی اضماعِ ابنائے زماں غالب

بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی باری نیکی

حاصل سے باتھ دھو بیٹھ اک آرزو سنرامی دل جوشِ گریہ میں سو ڈوبی ہوئی اسامی

اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے

میں بھی جلتے ہو دل میں ہوں داغِ ناتمامی

کیا تناسل ہم تم زنگیاں کا جہان ہو جس میں کہ ایک بھینٹہ مور آسمان ہو

ہو کائنات کو حرکت یہ سے ذوق سے پر تو سے آفتاب کے فرسے میں بیان ہو

سال اکٹھ ہو یہ سیلی خار اسے لالہ رنگ
 کی اُس نے گم سینہ اہل ہوس میں حیا
 کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
 بیٹھا ہو جو کہ سایہ دیوار یاد میں
 ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
 کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہو
 ہر بار سے اعتماد و وفا داری اس قدر

غالب ہم اس میں توش میں کہ ناہربان ہو

درد سے میرے ہر تجھ کو بفراری ہے ہے
 تیرے دل میں گرنے لگا آشوب غم کا حوصلہ
 کیوں مری غم خوار لی کا تجھ کو آیا تھا خیال
 غم بھگے کا تو نے بیان دنا باندھا تو کیا
 زہر لگتی ہے مجھے آبِ دہر اسے نہ ندگی
 کل نشانی ہے نامہ جلوہ کو کیا ہو گیا
 سرمہ رسانی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں
 کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہے ہے
 تو نے پھر کیوں کی تھی میری غم گساری ہے ہے
 دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ہے ہے
 غم کو بھی تو نہیں ہو پائے داری ہے ہے
 یعنی تجھ سے تھی اسے تا سازگار کیا ہے ہے
 خاک پر ہوئی ہو تیری لالہ کاری ہے ہے
 ختم ہو افسانہ کی تجھ پر پردہ داری ہے ہے

خاک میں ناموس پہان محبتِ مل گئی اٹھ گئی دنیا سے راہِ درسم باری ہے ہے
 ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا دل پہ اک لگنے نہ پایا جسم کاری ہے ہے
 کس طرح کلٹے کوئی شب ہے تار برشکال ہی نظر خود کردہ خستہ شمار ہی ہے ہے
 گوش بھور پیم و چشم محروم جسمال اکٹل تیں پر یہ نا امیداری ہے ہے
 عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی دشتِ کارنگ
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ہے ہے

سُرسشتگی میں عالم ہستی سے یاس ہو تسکین کو دے نوید کو مرنے کی آس ہو
 لمبستا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر استباک دہ جانتا ہو کہ میرے ہی پاس ہو
 کیسے بیاں سرورِ تبِ غم کہاں تلک ہر دمرے بدن پہ زبانِ سپاس ہو
 ہو دہ غورِ حسن سے بیگانہ و نسا ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہو
 پی میں قدرے شبِ ہتاب میں شراب اس طبعی مزاج کو کوئی ہی راس ہو
 ہر اک مکان کو سو کس سے شرفِ استہ
 مجنوں جو مر گیا ہو و جنک ادا اس ہو

گر خاشی سے دنا دہ ہفائے سماں ہو خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہو

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کو گلہ
دلِ فردِ جمیع و خراجِ مذاہبِ لالہ
کس پر دے میں ہوا آئینہ پردازِ اے خدا
رحمت کہ عذرِ خواہ اب بے سوال ہے
ہر ہر خدا نخواستہ دہ آدر و دشمنی
ای شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے
مشکین لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان
نائبِ زمین ہے نہ کہ نائبِ غزال ہے
دشتِ پیرِ میری عرصہ آفاق تنگ تھا
دریا زمین کو شَرِ قِ انفعال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجا میواں

عالم تمام حلقہ و امِ خیال ہے

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھو دکھو کے پوچھو
حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ لگی ہے

دلایہ درد و الم بھی تو مفت نہم ہے کہ آخر

نہ گریہ سحری ہے نہ آہِ نیم شبی ہے

ایک تباہ و فاکھا تھا سو بھی مٹ گیا
ظاہر کا غدر سے خط کا غلط بردار ہے

جی جلتے ذوقِ فنا کی نامت می پڑیوں
ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اکھٹی ہو صدا
ہر کوئی در ماندگی میں نامے سے ناچار ہے

ہر وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
جس کے جلوے سے زمین آسمان سرشار ہے

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہو

آنکھ کی تصویر سر نہاے پہ پھینچی ہو کہ تا

تجھ پہ کھل جاوے کہ اس کو سر تبا دیدار ہو

پتلیں میں گزرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے کندھا بھی کہا روں کو بدلنے نہیں دیتے

مری ہستی فضائے حیرت آباد متا ہو جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا غنقا ہو

خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کتنی کوئی موسم ہو وہی ہم نہیں ہو اور ساتھ بال و پر کہا ہو

دقائے دلیراں ہوا اتفاق در نہ احوال ہم دم اثر فریاد دل ہے حزن میں کاس نے دیکھا ہو

نہ لائے شوخی اندیشہ تاب رنج تو سید کی

کھٹ افسوس ملنا عہدِ تیرے یہ نمنا ہو

رسم کر نظام کہ کیا بود چراغ کشتہ ہو بنھن بیمار دنداد : دس چراغ کشتہ ہو

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہو تمہیں

در زیاں بے رفتی سود چراغ کشتہ ہو

چشم خوابانہ ناشی میں بھی نوا پر داز ہو سر نہ تو کہوت کہ دود شعلہ آواز ہو

پیکر عشاق ساز طالع ناساز ہے نالہ گویا گردشِ ستیارہ کی آواز ہو

دست گاہ دیدہ خوں یار مجنوں دیکھنا

بک بیاباں جلوہ گل فرش پا اندازہ ہو

عشق مجھ کو نہیں دشت ہی سی میری دشت تری شرت ہی سی
 قطع کیجیے نہ قلعہ ہم سے کچھ نہیں ہو تو عداوت ہی سی
 میرے ہونے میں ہو کیا سوائی او وہ محاسن نہیں خلوت ہی سی
 ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے غیر کو پتہ سے محبت ہی سی
 اپنی بستی ہی سے ہو جو کچھ ہو انگلی گرنیس غفلت ہی سی
 علم بر چند کہ ہو برق حسرام دل کے خوں کرنے کی فرست ہی سی
 ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں نہ سہی عشق مصیبت ہی سی
 کچھ تو ہے او فکاک انسانیت آو و فریاد کی رخصت ہی سی
 ہم بھی تسلیم کی خود ایں گے بے نیازی تری عادت ہی سی

یار سے چھڑ چلی جائے اسد

گو نہیں وصل تو حسرت ہی سی

ہر آرزیدگی میں نکویش بجائے صبح وطن ہو خندہ دندان بجائے

دھونڈھے ہر اس مغنی آتشِ نفس کو جی جس کی صدمہ جلوہ برقِ فتنائے
 متمانہ ٹوکروں ہوں وہ وادیِ خیالِ تا بازگشت سے نہ رہے نہ عاجھے
 کوتاہی بکہ باغ میں تو بے حجابیان کئی گج چہ نکمت گل سے بیابانے
 کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

شعروں کے انتخاب نے رُ سوا کیا ہے
 زندگی اپنی جب اس شکل سے گزرے غالب
 ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اُن زم میں تھے نہیں بنتی حیا کیے بیٹھا رہا اگر چہ اٹاے ہوا کیے
 دل ہی تو ہو سیاستِ بااں ڈر گیا میں درِ جہاد سے رہیں صدائے
 رکھتا پھڑوں بول ترقہ و سجادہ رہن مو مذت ہوئی ہو دعوت آئے ہوا کیے
 بے سرفہی گزرتی ہو ہو گرچہ عمر خضر حضرت بھی کل کہیں کہ ہم کیا کیا کیے
 مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اوستیم تو نے وہ گنجِ ہلے کراں ما یہ کیا کیے
 کس روز ہمیں ترا شاہ کیے صدمہ کس دن ہائے سر پہ نہ آتے جملائے
 صحبت میں خیر کی نہ پڑی ہو نہیں یہ خو دینے لگا ہو بوسہِ دبیرِ انتہائے

سند کی ہوا دریا تگر خوبروی نہیں بھولے سے اس نے سینکڑوں غنیمتیں کیے

غالب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کب

مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

نستار غنیمت سے رہا منظر اب ہو اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہو
 مینا سے ہو جو سر و نشاط ہمارے بال تدرود جلاوٹ موجِ شراب ہو
 زخمی ہوا ہو پاشنہ پائے ثبات کا بے بھانگے کی گون نہ اقامت کی تاب ہو
 جادو بادہ نوشی زنداں جو شش جہت غافل لگاں کرے ہو کہ گیتی خراب ہو
 نظارہ کیا حریف ہو اس برقِ حُسن کا جوش بہا پہلوے کو جس کے نقاب ہو
 میں نامراد دل کی قس کو کیا کڑوں مانا کہ تیرے رخ سے ننگہ کامیاب ہو

گزرا اسد مسرت پیغامِ بار سے

قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوال جواب تک

دکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہو میں اے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہو
 اتھ دھول سے یہی گرمی گراں دہشتے میں ہو آجینہ مندی صبا سے بگھلا جائے ہو
 غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے گر حیا بھی اس کو آتی ہو دُشربا جائے ہو

شوق کو یر لست کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھڑ جائے ہو
و درہم بدتری بزم طرب سے داہ داہ
نغمہ بوجہا ہواں گز نالہ مسیر اجائے ہو
گرچہ طرز بغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوٹے جلتے ہیں کہ وہ پا جائے ہو
اس کی بزم آریاں سن کر دل رنجوریاں
مثل نقش تدناسے غیر تبھٹا جائے ہو
ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
زنگ کھاتا اجائے ہو جتنا کہ اڑتا جائے ہو
نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہو جس قدر آتشا ہی پھینکتا جائے ہو

سایہ میرا مجھ سے مثل دو دھلکے ہو اسد

ماس مجھ آتش بجاں کے کس سے کھڑا جائے ہو

گرم فر باد رکھا شکل نہالی نے بیٹھے
تباہان بحر میں ی بردہالی نے مجھے

نسیہ دلفرد عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری مت عالی نے مجھے

کثرت آرائی وحدت پر پڑا ہی دہم
کو دیا کا دران ہننام خیالی نے مجھے

ہو میں گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا

عجب آرام دیا بے برد بالی نے مجھے

کار کاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہو
برق خرمین راست خون گرم دھقاں ہو

خنجرِ ہشت گفتنہا برگِ عافیت معلوم باد جودِ دل جمعی خواب گل پریشاں ہو
ہم سے رنجِ جیتانی کس طرح اٹھایا جائے
داغِ پشتِ دستِ سحرِ شعلہ خن بدلتاں ہو

اُگ رہا ہو دردِ دیوار سے سبزِ غالب
ہم بیا بیاں میں ہیں وہ گھر میں بہاراں ہو
سادگی پر اُس کی مہلنے کی حسرتِ دل میں ہو
نہیں نہیں چلتا کہ چہرِ شہرِ کفِ ستاروں میں ہو
دیکھتا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے ہوا
میں نے یہ جاننا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہو
گرچہ جو کس کس برائی سے ملے با ایں ہمہ
ذکرِ میرا مجھ سے ہست کہ اُس محفل میں ہو
بس بجومِ نازِ میدی خاک میں بن جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری شعی بے حاصل میں ہو
لیج رہے کیوں کھینچے دامانگی کو عشق ہو
اُنکھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہو
جلوہ زارِ آتشِ دوزخ ہمارا دل سہی
فتنہ شورِ قیامت کس کے آبِ گل میں ہو

ہو دل شوریدہ غالبِ طلسمِ بیچ و تاب
رسم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہو

دل سے تری نگاہِ جگر تکم تر گئی
دو دن کو اک آوا میں رضا مند کر گئی

شق ہو گیا ہو سینہ خوشالذت فراغ
 دہ بادۂ شبانہ کی سرستیاں کہاں
 اُڑتی پھرے ہر خاک مری کو بے یار میں
 دیکھو تو دل فریبی اندازِ نقشِ پا
 ہر وہ کس نے حسن پرستی شعار کی
 نظارے تے بھی کام کیا دان نقاب کا
 فردا ددی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا
 مارا زلمے نے اسدا شرخاں تمھیں

دہ د لے کہاں دہ جوانی کدھر گئی

تسکین کو ہم نہ رہیں جو ذوقِ نظر طے
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دین بعدِ قتل
 ساقی گرمی کی شرم کر د آج ور نہ ہم
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن احوں ندیم
 تم کو بھی ہم دکھائیں کہ جنوں نے کیا کیا
 حورانِ خلد میں تری صورت مگرٹ
 میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھرٹ
 ہر شب پیاسی کتے ہیں جو جس قدر لے
 میرا سلام کہیو اگر نامہ برسے
 فرصت کشا کین غم پہاں سے گرے

رزم نہیں ہے خضر کی ہم پردی کریں جاناکر اک بزرگ ہمیں ہمسفر ملے
 ایک سا کھٹان کو چہ دلدار دیکھنا
 تم کو کہیں جو غالب آشفہ سر ملے

کوئی دن گزر نہ گانی اور ہے اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 اکثر دوزخ میں یہ گرمی کہاں سو زعم باے نہانی اور ہے
 بار بار دیکھی ہیں ان کی رنجشیں بہ کچھ اب کے سرگرائی اور ہے
 دے کے خط منہ دکھتا ہو نامہ بر کچھ تو معینام نہ بانی اور ہے
 قاطع اعمار ہیں اکثر بخوم وہ بلا سے آسمانی اور ہے
 ہو چسکیں غالب بلا میں سب تمام

ایک مرگ ناگمانی اور ہے

کوئی اُفسید بڑ نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
 موت کا ایک دن معین ہے غنہ کیوں رات بھر نہیں آتی
 آگے آتی تھی حال دل پر ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی
 جانتا ہوں تو اب طاعت و نہ پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ہر کچھ ایسی ہی بات جو چپٹوں
 دہ نہ کیا بات کر نہیں آتی
 بچوں نہ چپٹوں کو یاد کرتے ہیں
 میری آواز گھر نہیں آتی
 داغ دل گر نظر نہیں آتا
 بو بھی ادھر پارہ گرنے آتی
 ہم وہاں میں ہمارے ہم کو بھی
 کچھ ہمارے خبر نہیں آتی
 مرنے میں آرزو میں مرنے کی
 موت آتی ہو پر نہیں آتی

کبھے کس منہ سے جاؤ گے غالب

شرم تم کو مگر نہیں آتی

دل ناواں بکھتے ہو اکبر
 اکبر اس در و کی دوا کیا ہو
 ہم میں مشتاق اور وہ بیزار
 یا الہی یہ ماجرا کیا ہو
 میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
 کاش پس چھو کہ مدعا کیا ہو
 حب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
 پھر یہ ہنگامہ ادھر کیا ہو
 یہ زری چہرہ لوگ کیسے ہیں
 غمزدہ عشوہ و آوا کیا ہو
 شکن زلف عنبریں کیوں ہو
 نگہ چشم شرم سا کیا ہو
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
 ابر کیا چیز ہو ہوا کیا ہو

ہم کو اُن سے وفا کی ہو دُعا
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر نشا رکرتا ہوں
میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

تے تو ہو تم سب کبریتِ غالب و آفت
یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ دو آفت
ہوں کش مکش نزع میں ہاں بہدب محبت
کچھ کٹہ سکوں پردہ مرے پوچھنے کو آئے
سو صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم
آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے
ظاہر ہو کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے تیر من
ہاں منھ سے مگر بادہ و دُشمن کی بو آئے
جلا دے ڈرتے ہیں نہ دانت سے جھگرتے
بمبھجے ہوئے ہیں اُسے چن چن میں جو آئے
ہاں اہل طلب کون سے طعنہ ناپاقت
و بھکا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو لکھو آئے
اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پہ نہیں بار تو کعبے ہی کو ہو آئے
کی ہم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر
اچھے سے آپس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے
اس سخن ناز کی کیا بات ہو غالب
ہم بھی گئے وہاں اور تری تقدیر کو آئے

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے
 پھر تیرے کھو دینے لگانا ہے
 قہرِ سدا مقصدِ نگاہِ نیاز
 چشمِ دلالِ حینِ رسوائی
 دہی صہ رنگِ نالہ فرسائی
 دل ہو اسے خرامِ ناز سے کھلے
 جلوہ پھر عرصِ ناز کرتا ہے
 پھر اُسی بے دنا پہ مرنے ہیں
 قطع

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر
 پھر سرد یا پارہ جگر نے سوال
 پھر ہوئے ہیں گواہِ عشقِ طلب
 دل و مرگیوں کا جو مقدمہ تھا

گرم بازارِ فوجہ داری ہے
 زلف کی پھر سرشتِ داری ہے
 ایک سر یا آہ و زاری ہے
 اثناک باری کا حکم جاری ہے
 آج پھر اس کی رو بکاری ہے

بہ خودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہو جس کی پر وہ داری ہو

جنوں تہمت کس تسکین ہو گر شادمانی کی نمک پاش خراشوں سونڈت زندگانی کی
نشا کش ہلے ہستی سے کھٹے کیا سعی آزادی ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ طفلان ہو

شراب رنگ نے تربت پر میری گل فشانی کی

نوش و سزا آزادی بیداد و لبر کی مبادا خندہ دندان نہا ہو صبح محشر کی
گسیلی کو خاک دشت مجنون شکی بخشے اگر بودے بجائے دانہ دمقان کُشتر کی
پر پر دانہ شاید بادبان کشتی موکھتا ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دور غر کی
کردن بیداد و دق پر فشانی عرض کیا قدرت کہ طاقت اڑائی اڑنے سے پہلے یہ شہپر کی

کہاں تک ردوں کے خیمے تھے قیامت ہو

مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

بے اعتمادیوں کے یک سب میں ہم ہوئے جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
پناہ تادام سنت قریب آشیان کے اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہستی ہمساری اپنی فنا پر دیسل ہو
 سخی کشانِ عشق کی پوچھے ہو کیا خبر
 تیری وفا سے کیا ہوتا فی کہ دہریوں
 لکھتے رہے جنوں کے حکایا تہ خوچکاں
 اللہ دے یترقی ہندی تو جس کی یم سے
 اہل ہوس کی فتح ہو ترکِ بزدلِ عشق
 تائے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
 چھوڑی ہمدرد ہم نے گدائی میں لی

سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

جو نہ نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی
 نبھے اس سے کیا توقع بزمانہ جوانی
 تو فردگی نہاں ہو بکسین بے زبانی
 کبھی کو دلی میں جس نے نہ نشی مری کہانی
 یوں ہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب در نہ کہتا
 کہ مرے عدد کو یارب ملے میری زندگانی

ظلمت کے میں سیر شب غم کا جوش ہو
 اک شمع ہو دلیں سحر مود خوش ہو

فی مژدہٴصال نہ نظر رہ جمال
موت مہول کہ آشتی چشم و گوش ہو
موت نے کیا ہے حسن خود آرا کو بے تباب
دشوق یاں جا زت تسلیم ہوش ہو
گھر کو عقد گردن خواباں میں دیکھینا
کیا آدج پرستارہ گھر فردن ہو
دمداد بادہ وصلہ سانی نگاہ مست
بزم حیاں میسکہ ہے بے خروش ہو

ق

امرتانہ دادوان بساط ہواے دل
زہنہار اگر تھیں مسکن نالے نوش ہو
دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو
میری سوز جو گوش نصیحت نیوش ہو
ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگاہی
نظر بے غمہ بزن تسکین و ہوش ہو
پاشب کہ دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط
دامان باغبان و گفت گل فردن ہو
اظہر نرا م ساقی ذوق صدائے چنگ
یہ جنت نگاہ وہ فردن گوش ہو
یا صمد جو دیکھے آ کر تو بزم میں
فی وہ سرور دسوز نہ جو شوق فردن ہو
داغ خزان صحت شب کی جلی ہوئی
اک سمع رہ گئی ہو سود و بھی خوش ہو
آتے ہیں غیب کے یمن میں خیال ہیں
غالب صریحاً نہ نولے مردن ہو
آ کہ مری جان کو قرار ہیں ہو
طاقت بیداد انتظار نہیں ہو

دیتے ہیں جنت حیات ہر کے بدلے نشہ باندازہ خمار نہیں ہو
 نگر یہ نکالے ہو تری بزم سے مجھ کو لمبے کہ رشتے پہ تھپا رہیں ہو
 ہم سے عبث ہو کمان بخش خاطر خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہو
 دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی غیر گل آئینہ بہار نہیں ہو
 قتل کا میرے کیا ہو عہد تو بائے دے اگر عہد استوار نہیں ہو

تو نے قسم مسیحتی کی کھائی ہو غالب

تیری قسم کا بکھ اہستہ بار نہیں ہو

بہویم غم سے یاں تاک سزگونی مجھ کو حاس ہو کتار دامن رتا رہ نظر میں فرق شکل ہو
 دوزخ زخم سے مطلب لذت زخم بوزن کی بھیج موت کہ پاس دروے دیوتا غافل ہو

دہ گل جس غلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب

پشانا غنچہ گل کا صدائے فندہ دل ہو

پا بدمن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرانورد خار پاہیں جو ہر آئینہ زانو مجھے
 دیکھنا حالات مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت ہر نگاہ آئینہ تیرا سر مر ہو مجھے
 ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ ہو یہی بہتر کہ لوگوں میں چھپے تو مجھے

جس بزم میں تو باز سے گفتار میں آوے
سایے کی طرح رات پھر میں سر دوسنوبر
تب ناز و نحر اس مائیگی اشک بجایا ہو
دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
اچھا چشم نسوں گر کا اگر پائے اشارہ
کاتھوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
مرباؤں نہ کیوں رشتہ سے جڑ تین بڑی
غارت گھر ناموس نہ ہو گھر ہو جس نہ
تب بیاں گریباں کا مزہ ہو دل نالوں
آتش کدہ ہو سینہ مبارزہ منہاں سے

گنجینہٴ حنی کا طلسم اس کو سمجھے

جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آئے

حسن مرے گرجے یہ منکام کمال اچھا ہو
بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہو ہر خط نگاہ
اُس سے میسر نہ ہو رشید جہاں اچھا ہو
جی میں کہتے ہیں مفت آنے تو مال اچھا ہو

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
بے طلب دیں تو مزہ دس میں سوا ملتا،
اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہو منہ پر رونق
دیکھے پاتے ہیں عشاق تہوں سے کیا فیض
ہم سخن تیشے نے فراہ کو شیریں سے کیا
نظرہ دریا میں جوں جوں جائے تو دریا مہ جائے
خضر سلطان کو رکھے خالی اکبر سر سبز

ساغر جسک مرا جام برفاں اچھا ہو
وہ گدا جس کو نہ ہو تجھے سوال اچھا ہو
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہو
اک برہن نے کہا ہو کہ یہ سال اچھا ہو
جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہو
کام اچھا ہو وہ جس کا کہ مال اچھا ہو
شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہو

ہم کو معلوم ہو جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب خیال اچھا ہو

نہ ہوئی گھر سے مرنے سے قسلی نہ سی
خار خار الم حسرت دیدار تو ہو
نوپرتاں خم کو منہ سے لگائے ہی جانے
نفسِ قسین کو ہوشم چراغِ صبرا
ایکسہ مٹکاتے چوتھوٹ ہو گھر کی رونق

امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سی
شوق گل چین گلستانِ نسلی نہ سی
اک دن گرنے ہوا بزم میں ساتی نہ سی
گو نہیں شمع سیدِ خانہ یلی نہ سی
نوحہ غم ہی سی نوحہ شادی نہ سی

رستائش کی مثال دھلے کی پتہ ڈال کر نہیں ہیں کے اشعار میں مسمیٰ نہ ہی

عشر بہت خوباں ہی غنیمت سمجھو

ہوئی غالب اگر عشر طبعی نہ ہی

عجزِ شیطا سے جلاؤ کے چلے ہیں ہم آگے کہ اپنے سایے سے سراپاؤں کو دو قدم آگے
قصائے تھاجھے چاہا خراب بادہ الفت فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا سلم آگے
غم زمانے نے جھاری نشاۃ عشق کی مستی دگر نہ ہم بھی اٹھائے تھے لذت الم آگے
خند کے واسطے داد اس جنونِ شوق کی دینا کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ برسے ہم آگے
یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے تھکے آئیو اسی طرح ٹہرے خمِ بزم آگے
دل و جگر میں پر افشاں جو ایک بڑے خوں کی ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اکودم آگے

قسم جنازے پہ آنے کی سیسہ کھانے میں غالب

ہمیت کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

شکوے کے نام سے بے ہر خفا ہوتا ہو یہ بھی مت کہہ جو کہتے تو لگتا ہوتا ہو
پروں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا اک ذرا چھریہ پھر دیکھ کیا ہوتا ہو
گو بہتائیں پر حسنِ لافی ویکھ شکوہ جو اسے سرگرم خفا ہوتا ہو

عشق کی راہ میں ہر چرخ کو کب کی وہ چال
سُست رو جیسے کوئی آبلہ پامہوتا ہے
کیوں نہ ٹھہریں بدلتی نادک بیدا کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گرتیر خطا ہوتا ہے
خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے
نہ جام اٹھا پر سے عرش سے میرا اور آب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے
قطعہ

غامہ میرا کہ وہ ہے بارید بزم سخن
شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے
ایک شہنشاہ کو اکب پہ دھر عالم
تیرے اکرام کا حق کس کا ادا ہوتا ہے
سات تسلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے
ہر پہننے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہو ہلال
استاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے
میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فرا ہوتا ہے
رکھو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں عات

آج کچھ درد مرے دل میں ہوا ہوتا ہے

ہر ایک بات پر کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
نہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے
نہ ٹٹلے میں یہ کہ شمع نہ بون میں یہ ادا
کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

یہ رشاک ہو کہ وہ ہوتا ہو ہم سخن تم سے
 چپک رہا ہو بدن پر لہو سے پیرا میں
 جلا ہو جسم جہاں دل بھی نہیں گیا ہو گیا
 رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
 وہ چیز جس کے لیے ہم کو بہشت عزیز
 پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دوچار
 نہ ہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی
 دگر نہ خوف بد آموزی غرور کیا ہو
 ہماری جیب کو آب حاجت رفو کیا ہو
 کر دیتے ہو جو آب را کہ جستجو کیا ہو
 جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر ہو کیا ہو
 سو اسے بادہ گلستانِ مشک سے کیا ہو
 یہ شیشہ دستِ سج دوزخ و دسبو کیا ہو
 تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہو

موا ہو شہ کا مصاحب پھرے ہو اتر آتا

دگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہو

میں انھیں چھڑوں در کچھ نہ کہیں
 قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
 چل نکلتے جو تو پیے ہوتے
 کا شکے تم مے لیے ہوتے
 میری قسمت میں غم گراؤں اتنا
 دل بھی بارب کٹی دیے ہوتے

آہی جاتا وہ راہ پر غالب

کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
 خشکی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ ہتھکنڈے ہیں چرخ نیلی منام کے
 خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ہم تو عاشق ہیں تمھارے نام کے
 رات پی زمزم پہ نوحہ اور صبح دم دھوئے دھتے جامہ احرام کے
 دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا مگر یہ بھی حسیلے ہیں تمھارے دام کے
 شاہ کے ہو غسل صحت کی خبر دیکھیے کب دن پھر یہ حمام کے

عشق نے غالب نکما کر دیا
 در نہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بہار آئی کہ بوسے ہر دوسرے تما شائی
 دیکھو اے ساکنانِ خطہ فناک اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
 کہ زمیں ہو گئی ہو سر تا سر ردکشِ سلج پسرخ مینائی
 سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی بن گیا رومے آب پر کانی
 سبزہ دگل کے دیکھنے کے لیے چشمِ نرگس کو دی ہو بینائی
 ہو ہوا میں شرب کی تاثیر بادہ نوشی ہو بادِ بہائی

کیوں نہ دُنیہ کو ہونوشتی غالب

شاہ دیندار نے شفا پائی

تغافل و دست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہو
 رہا آباد عالم اہل محبت کے نہ ہونے سے
 کب وہ سنتا ہو کہانی میری
 خلش غمزہ خو نہ یزید پوچھ
 کیا بیاں کر کے مراد میں گے یار
 ہوں زخود رفتہ بیدارے خیال
 شقیل ہو مقابل مسیرا
 گرد باد رہ بیستابی ہوں
 دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا
 اگر پسلوستی کیجئے تو جا میری بھی شانی ہو
 بھرے ہیں جس قدر جام و سبو کو غار غالی ہو
 اور پھر وہ بھی نہ پانی میری
 دیکھ خونستابہ نشانی میری
 مگر استشفہ بیانی میری
 بھول جانا ہو نشانی میری
 رک گیا دیکھ زوانی میری
 صرصر فوق ہو بانی میری
 کھل گئی، میچمدانی میری

کر دیا صنعت نے عاجز غالب

ننگ پیری ہو جوانی میری

نقش نازبت طناز باغوش رقیب پاسے طاؤس پئے خامس مانی مانگے

دہ بدخ کہ تھیر کو تہا شا جانے غم دہ افسانہ کہ آشنہ بیانی مانگے

دہ لب عشق تمنا ہے کہ پھر عیوب شمع

شمعہ تا شمع جسگر ریشہ ودانی مانگے

گلشن کو ترن صحبت از بسک خوش آئی ہے ہر شے کا گل ہو یا آغوش کشائی ہے
داں کنگر اس غنا ہر دم ہو بلندی پر یاں نلے کو اور اٹھا دعوئے سائی ہے

از بسکہ سکھاتا جو غم ضبط کے اندازے

جو داغ نظر آیا انک چشم سنائی ہے

جس زخم کے ہو سکتی ہو تیر سیر زوکی لکھ دیکھو یارب سے قسمت میں عدلی

اچھا ہے مرا گشت سنانی کا نتوہ دل میں منظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حسلی کی یاں تو کوئی سنتا نہیں زیاد کیسو کی

دشمن نے کبھی منہ نہ اکایا ہو سکر کو بنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلہ کی

صد حیف دہ تا کام داک عمر سے غالب

حسرت میں بہت ایک بات عہدہ ہو کی

یہاں بہشت گرمی آئندے ہوا ہم حیراں کیے ہوئے ہیں دل بقرار کے
 آغوشش گل کشیدہ پیلے دواغ ہو
 اگر مندریب ہیں کہ سچے دن بہار کے
 جو وصل بحر عالم تکلیں و نسبتیں مشوق شوق و عاشق و یوسف و یاس
 اس ایک دل ہی جانے گا بوسہ کبھی تو ہاں
 شوق نضوانِ ہر اسے نہ انداز چاہیے

چاہیے اچھٹوں کو جتنا چاہیے یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے
 صحبتِ انداز سے واجب ہو خذو حب سے ڈرا اپنے کو کھینچا چاہیے
 چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل باغ اب اس سے بھی سمجھا چاہیے
 چاکِ مت کر بیٹے آیا مگر کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہیے
 دوستی کا پردہ ہو بیگانیگی تنہا چھوڑا ہم سے چھوڑا چاہیے
 دشمنی نے بری کھو یا غیر کو کس قدر دشمن ہو دیکھا چاہیے
 پنی رسوائی میں کیا چلتی ہو سی یاد ہی بسنگامہ آہا چاہیے
 منحصر رہنے پر ہر جس کی امید نہاں ہے اس کی دیکھا چاہیے

غافل ان مہرِ خلقوں کی واسطے چاہئے والا بھی اچھا چاہیے

چاہئے ہیں خوب لڑیوں کو کس

آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

ہر قدم دوری منزل ہو نمایاں ہے
دریں عنوانِ کاشاہ تغافل خوشتر
دشتِ آتشِ دل سے شبِ نہانی میں
غمِ عشاق نہ ہو سادگی آلودہ بتاں
اثرِ آبلہ سے جادہ صحرائے حسرتوں
یہ خودی بسترِ تہید فراغت ہو جو
شوقِ دیدار میں گرتو مجھے گردن مارے
بیکسی اسے شبِ ہجر کی دشت ہو جو
گردشِ ساغرِ صد جلوہ رنگیں تجھ سے
میری رشتہ سے بھاگے یہ بیابان ہے
ہو نگہ رشتہ شیرازہ مرزاں مجھ سے
صورتِ دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے
کس دستِ رخنائے آئینہ ہو دیراں مجھ سے
صورتِ رشتہ گوہرِ حراغاں مجھ سے
پڑی سلیے کی طرح میرا ثبوتاں مجھ سے
ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے
سایہ نورِ شید قیامت میں ہو پناں مجھ سے
آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے

نگہ گرم سے اک آگ شہکتی ہو کس

ہو چراغاں خس و خاشاک گلستان مجھ سے

نکتہ چیں جو غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے
میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اوجھڑیہ دل
کھیل سمجھا جو نہیں چھوڑنے دے بعدِ دلِ جلے
غیر بھرتا ہی لیے یوں ترے خط کو کہ اگر
اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
کہ سکے کون کہ یہ جلوہ گرمی کس کی ہو
موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن اُسے نہ ہے
بوجھ وہ سر سے گرا ہو کہ اٹھائے نہ اُسٹھے

کیا سنے بات بہاں بات بنائے نہ بنے
اُس پہ بن جائے کچھ ایسی بن اُسے نہ بنے
کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے سنائے نہ بنے
کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہو تو چھپائے نہ بنے
ہاتھ آویں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے
پر وہ چھوڑا ہو وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے
تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
کام وہ آں پڑا ہو کہ مینائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں جو یہ وہ آتشِ غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

چاک کی خواہش اگر دشتِ بربانی کے
جسوس کا ترس وہ عالم ہو کہ گہمِ خیال
جو شکست سے بھی دل زوریدار کب تک
نیکوہ گر چشمِ مستِ ناز سے پلٹے شکست

صبح کے مانند زخمِ دل گریبان کے
دیدہ دل کو زیارت کا ہر سیرانی کے
آہیگنہ کوہِ پرستِ صحنِ گراں جانی کے
موسے شیش دیدہ ساعز کی مژگان کے

خطِ عارضین سے لکھا ہی زلف کو الفت نے عہد

ایک سلم منظور ہو جو پچہ پریشانی کرے

وہ آکے خواب میں تکیہ پہ اضطراب تو دے دے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے
کرے ہو قتلِ لگاؤ شایبِ تیرا درد دیتا تری طرح کوئی تیغِ تنگہ کو اکب تو دے
دکھا کے جنبشِ لب ہی متام کرہم کو نہ دے جو پورہ تو منہ سے کہیں جو اب تو دے
پلا دے ادک سے سانی جو ہم سے نفرت ہی پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسدِ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں بھول گئے

کھا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب سے

تپش سے میری دلفِ کشمکش بہر تارِ بستر ہی مرا سر رنجِ بالیں ہی مرا تنِ بارِ بستر ہی
سرتکِ لبِ صبرِ ادا دہ فوراً لعینِ دامن ہی دلِ بے دست و پا افتادہ جو درِ بستر ہی
خوشا اقبالِ رنجوری عیادت کو تم آئے ہو زرعِ نغمِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہی
بہ طوفاں گاہ جو نثرِ اضطرابِ شامِ تنہائی شعاعِ آفتابِ صبحِ محشرِ تارِ بستر ہی
ابھی آتی ہی بوبالش سے سکی زلفِ مشکیں کی ہمارے ہی دید کو خوابِ لہجہ عارِ بستر ہی
کہوں کیا دل کی یہ حالت ہو ہجرِ یارِ غالب کہ بیتابی سے ہر ایک تارِ بسترِ خارِ بستر ہی

خطر ہو شتہ اُلفت رگ گردن نہو جلیے غزور دوستی آفت ہو تو دشمن نہو جلیے
 سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشود مانا غالب

اگر گل سر دے قامت پہ پیرامن نہو جلیے

فریاد کی کوئی دہنیں ہو نالہ یا بندہ کی نہیں ہو
 کیوں بولتے ہیں باغبان تو بنے گرباغ گداے کی نہیں ہو
 ہر چند ہر ایک شے میں تو ہو ہر تجھ سی کوئی شے نہیں ہو
 ہاں کھائی موت فریب ہستی ہر چند کہیں کہ ہو نہیں ہو
 شادی سے گزر کہ غم نہ ہوے اُردی جو نہ ہو تو دو نہیں ہو
 کیوں رد قبح کرے ہو زاہد کی ہو یہ مگیں کی تو نہیں ہو

ہستی ہو نہ کچھ عدم ہو غالب

آخر تو کیا ہو آئی نہیں ہو

نہ پوچھ فسقہ مرہم جراحِ دل کا کہ اس میں ریزہ الماس جزو عظم ہو

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی

وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہو

ہم رشاک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے مرتے ہیں دِلے اُن کی تمنا نہیں کرتے
دیر پردہ اُنہیں غیر سے ہو ربط نہائی ظاہر کا یہ پردہ ہو کہ پردا نہیں کرتے

یہ باعثِ نوامیدی اور بابِ ہوس ہو

غائب کو بُرا کہتے ہوا چھا نہیں کرتے

کئے ہو بادہ ترے لبے کسبِ رنگِ فروغ خطِ پیالہ سسرا سرنگاہِ گلِ چیں ہو
کبھی تو اس دِلِ شوریدہ کی بھی داد ملے کہ ایک عمر سے حسرتِ پستِ بالیں ہو
بجا ہو گر نہ سُکنے نالِ ہائے بلبسِ ناز کہ گوشِ گلِ فمِ شبنم سے پتہ آگیاں ہو

استد ہو نزع میں مہل ہو فنا پر اسے خدا

مستام ترکِ حجابِ ذہانِ تمکس ہو

کیوں نہ ہو چشمِ بیاں محوِ افانلِ کیوں نہ ہو یعنی اس بیمار کو فطارت سے پرہیز ہو
مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی داسے ناکامی کہ اس کا فر کا خیر تیز ہو

عارِ سنِ گلِ دیکھ رہے یارِ یاد آیا است

جوشِ شریںِ فصلِ بہاری اشتیاقِ انگیز ہو

دیا ہوا دل اگر اس کو بشر ہو کیا کہیے ہوا رقیب تو ہونا مرہ بر ہو کیا کہیے

یہ قسم کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے
 رہے جو یوں گئے بیگہ کہ گوسے دوست کو اب
 رہے کہ شمع کیوں سے رکھا جو ہم کو فریب
 سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں پریش حال
 ہمیں نہیں جو سرِ شترِ دفت کا خیال
 انھیں سوال پر زعم جنوں ہی کیوں رٹے
 حسد سزا کے کمال سخن ہو کیا کہے

کہا ہو کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن

سولے اس کے کہ آشفہ سر ہو کیا کہیے

دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے
 بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فناں
 کیوں نہ ہو بے اتفانی اس کی خاطر جمع ہو
 میرے غم خانے کی قسمت بیتِ تم ہونے لگی
 بدگماں ہوا ہو وہ کافر نہ ہوتا کاشکے
 کر گئی وابستہ تن میری طریانی مجھے
 مہربا میں کیا مبارک ہو گراں بانی مجھے
 جانتا ہو محو پرستش ہے یہ نانی مجھے
 لکھ دیا ہم سب اسبابِ دیرانی مجھے
 اس قدر ذوقِ نوائے رخِ بستانی مجھے

داسے واس بھی شور محشر نے نہ دم لینے دیا
لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے
دعہ آنے کا دست ایسے یہ کیا انداز ہو
تم نے کیوں سوچنی ہو میرے ٹھکانے بانی مجھے
ہاں نشاطِ آبدستِ بہاری واہ واہ
پھر ہوا ہو تازہ سوداے غزنو اتنی بھئی

وہی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی

میرزا یوسف ہو غالب یوسف ثانی مجھے

یادِ شادی میں بھی منگانیہ یارب مجھے
سجہ زائد ہوا ہو خندہ زیر لب مجھے
ہو کشادہ خاطر دستہ در رہن سخن
تھا غلیم فصلِ ابدِ ثناء مکتب مجھے
یارِ برائے شغلی کی داد کس سے چاہیے
رنگِ سادش ہو زندانیوں کی اب مجھے
طبعِ بومشاقِ لذتِ محبت کیا کروں
آرزو سے ہو سکتا آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب بھی تھوڑے

عشق سے اتنے تھے ماع میرزا صاحب مجھے

مستور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہو
چمن میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہو
قد گیسو میں قیس و کوکبن کی آزمائش ہو
جہاں ہم ہیں وہاں اور کس کی آزمائش ہو
کریں گے کوکبن کے جوہلے کا امتحانِ احشر
ہنوز اس خستہ کفر سے تن کی آزمائش ہو

نسیم مسر کو نیا پیر کنعاں کی ہوا خواہی
 وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کیوں پھر کہ غافل تھے
 ہے دل ہی میں تیرا چاہنے کے پار ہو بہتر
 تیس کچھ سہم و زمانہ کے بچہ سے میں گیرا لی
 ٹراہ اڑا دل دایہ بیتابی سے کیا حاصل
 رگ دہری میں جب اڑے زہر غم تیرے کیسے کیا ہو
 اسے یوسف کی شب پر سر کی آواز اٹھ ہو
 شکب و صبرا ہل اٹھن کی زماں ہو
 غرض شست بہت ناک ننگ کی زماں ہو
 دستا داروں میں شیخ و برہمن کی زماں ہو
 مگر پھر تاب زلف برنگن کی زماں ہو
 ابھی تو تخی کام و دہن کی زماں ہو

وہ آدیں گے مرے گھر دیکھا دیکھا تھا

نئے نستوں میں اب چرخ کھن کی آواز ہو

بھی نہ کی بھی اس کے جی میں گرا جائے جو مجھ سے
 نہ آیا بھڑیلے دل کی مگر تیرا اٹلی ہو
 وہ بدخواہ میری دستان عشق طولانی
 اُدھر وہ بدگمانی ہو ادھر یہ ناتوانی ہو
 جھٹلنے دے مجھے اونا امید کی کیا تھا ہو
 تکلف بریزت نظارگی میں بھی کسھی لیکن
 جفا میں کر کے اپنی یاد تیرا جلتے ہو مجھ سے
 کہ جتنا کھینچتا ہوں ورتتا جلتے ہو مجھ سے
 عبارت مختصر نامہ بھی گھبرا جلتے ہو مجھ سے
 نہ پوچھا جلتے ہو نہ بولا جلتے ہو مجھ سے
 کہ دامن خیال یا چھوٹ جلتے ہو مجھ سے
 وہ دیکھا باسے کتبِ ظلم دیکھا جلتے ہو مجھ سے

ہوے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی نہ بھاگا جائے ہو مجھ سے نہ ٹھہر جائے ہو مجھ سے

قیامت ہو کہ ہوئے مدعی کا ہمسفر غالب

وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہو مجھ سے

ز بسکہ مشق متا شا جنوں علامت ہو کشادہ دست مژہ سیلی ندامت ہو

نہ جاؤں کیونکہ مٹے داغ معن بد عہدی تجھے کہ آئندہ بھی درطہ ملامت ہو

بی بیچ و تاب ہوں ملک عافیت مت توڑ نگاہ عجز سر رشته سلامت ہو

دشمن مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد

جنون ساختہ و فصل گل قیامت ہو

لا غر آننا ہوں کہ گھر تو بزم میں جلے بیٹھے میرا ذمہ دیکھ کر گھر کوئی بسلائے بیٹھے

کیا تعجب ہو کہ اس کو دیکھ کر آجائے رسم داں ملک کوئی کسی حیلے سے پہنچائے بیٹھے

منہ نہ دکھلائے نہ دکھلا پر باند از عتاب کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلائے بیٹھے

پاں تلمک میری گرفتاری سے وہ خوش ہو گئیں

زلزلہ گرین جادوں تو شانے میں اکھٹائے بیٹھے

باز چپہ اطفال ہو دنیا کے آگے ہوتا ہو شب روزہ گمانے آگے

اک کھیل ہے اور نگاہیں مے نزدیک
 جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرائے موتے
 مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تم سے پیچھے
 سچ کہتے ہو خود بن و خود آراہوں کنوئیں
 پھر دیکھیے اندازِ گل افشانی گفتار
 نفرت کا لٹاں لے رہے ہیں تکرارے گزرا
 ایمان مجھے رکھے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
 عاشق ہوئے معشوقِ فریبی ہے مرا کام
 خوش موتے ہیں پرصل سیتوں میں نہیں جاتے
 ہے موجزن اک قلمِ حوں کا شہی ہو
 گوہرِ جہش نہیں کھوں میں تودم ہے
 اک بات ہے اعجازِ میحاً مرے آگے
 جز وہم نہیں ہستی دنیا مرے آگے
 گھستا ہے جبینِ خاک پر دریا مرے آگے
 تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
 بیٹھا ہے بت آئینہ سہا مرے آگے
 رکھ دے کوئی بیانیہ صبا مرے آگے
 کیونکر کوئی نام نہ ان کا مرے آگے
 کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے
 بعنوان کو برا کہتی تو لیل مرے آگے
 آئی شبِ بھراں کی مناسبت مرے آگے
 آتا ہے بھی نکھیے کیا کیا مرے آگے
 رہنے دوا بھی ساغرِ دنیا مرے آگے

ہمیشہ وہم شرب وہم راز ہے سیرا
 غالب کو برا کیوں کہوا چھا مرے آگے

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے
 نہ کیوں طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں
 وہ بیشتر سی پرداں میں جب اتر جاوے
 نہیں ذریعہ راحت جو راحتِ پیکاں
 جو مدعی بنے اس کے نہ مدعی بنیے
 کہیں حقیقتِ جاں کا ہی مرض لکھے
 کبھی شکایتِ رنج گراں نشیں کہیے
 رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجیے
 نہیں نگار کو الفت نہ مونگار تو ہو
 نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہو

تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہیے
 مجھے تو خوہی کہ جو پکار کہو جب کہیے
 نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے
 وہ نہ جسم تیغ ہو جس کو کہ دل کشا کہیے
 جو ناسزا کہے اس کو نہ ناسزا کہیے
 کہیں مسدبتِ ناسا ز می دوا کہیے
 کہیں حکایتِ صبر گر یزیا کہیے
 کئے زبان تو خنجر کو مر حساب کہیے
 رذائی روش و مستی آدا کہیے
 طراوتِ حُسن و خوبی ہو کہیے

سفینہ جب کہ کنارے پہاگنا غالب

خدا سے کیا ستم و جو رتا خدا کہیے

ردنے سے اور عشق میں بیاک ہو گئے
 دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
 صرت بہاے خوبے آلاتِ منیکشی
 تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

رسوا سے دہرگو ہو آوارگی سے تم بار سے بیستوں کے تو پا لاک ہو گئے
 کتنا ہی کون نالہ پس کو سبے اثر پردے میں کل کے لالو جگر پک نہ گئے
 پوچھے جو کیا دھود و عدم اہل شوق کا آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک موئے
 کرنے لگے تھے اس سے تغافل کا ہم بکھ کی ایک سی ٹکا دو کر بس ناک ہو گئے
 اس رنگ سے اے نالہ کل دس اشہ کی خوش
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

فتنہ با شاد آیت گائے ساز مہر طرب شیشہ می سر سبز جو بے رشتہ ہو
 ہنسیں مت کہہ کہ یہ چہ کر غم پیش دست
 واں تو میرے نامے کو بھی اعتبار نہ ہو

باطن : ز شوقی دنیاں برائے خندہ ہو دعویٰ تہیت احباب ہمارے خندہ ہو
 ہر بند میں پنچہ محو عبرت غلام گل ایک جہاں زانو تاقل در قلعے خندہ ہو
 کلفت انسر دگی کو عیش بستان بی حرام دور ز دنیاں و در دل نشہ زن بے خندہ ہو
 سوزش باطن کے ہن تباب منکر در نہاں
 دل محیط گر یہ ز آتش سنا بے خندہ ہو

خُشن بے پروا خریدار متاع جلوہ؟ اُمنہ زانوئے شکر انتراع جلوہ؟

تا کجا ای آگهی رنگ تماشا با خشن

چشم و اگر دیدہ آغوش و دواع جلوہ؟

جب تک ہاں نہ رسم نہ پیدا کرے کوئی
عالم غبارِ دشتِ بھنوں ہو سر بسر
افسردگی نہیں طرب انشاءِ التفات
رونے سے اکی ندیم ملامت نہ کر مجھے
جاگ جگر سے جب یہ پرکیش نہ داہوی
نعتِ جگر سے ہو رگِ ہر خار شاخِ گل
ناکامی نگاہ ہو برقِ فطارہ سوز
ہر رنگِ دشت ہو صدق گو ہر شکست
سربمہوی نہ وعدہ صبر آواز سے عمر
ہو دشتِ طبیعتِ ایجاد یا بس خمیہ سز
بیکاری جنوں کو ہو سر پٹنے کا شعلہ

مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن واکرے کوئی
کب تک خیالِ طرہ لیلہ کرے کوئی
ہاں و ردِ بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی
آخر کبھی تو عقدِ دل واکرے کوئی
کھا فائدہ کہ حبیب کو رسوا کرے کوئی
تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی
تو وہ نہیں کہ تجھ کو متا شا کرے کوئی
نقصان نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی
فرصت کہاں کہ تیری تمتا کرے کوئی
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فرغ شمع سخن دور ہو اسد

پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دُکھ کی دو اکریے کوئی
 شرع و آئین پر مدار سہی ایسے متاقل کا کیا کرے کوئی
 چال جیسے کڑی کمان کا تیر دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
 بات پر دال زبان کشنی ہو وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی
 کہے ہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ بچے سمجھے حسد کرے کوئی
 نہ سُنو گزبر اٹھے کوئی نہ کہو گر برے کرے کوئی
 ردک نہ گز غلط چلے کوئی بخش دو گز خطا کرے کوئی
 کون ہو جو نہیں ہو حاجت مند کس کی حاجت نہوا کرے کوئی
 کب کیا خضر نے سکند سے اب کے رہنا کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب

کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

بت ہی غم گیتی شراب کم کیا ہو غلام سانی کوڑ ہوں مجھ کو غم کیا ہو

تھاری طرزدوش جانتے ہیں ہم کیا ہو رقیب پر سچا اگر لطف تو سسر کیا ہو
 سخن میں خامہ غالب کی آتش افشانی
 یقین ہو ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہو

باغ پا کر خفقانی یہ دراتا ہو مجھے سایہ شاخ گل افنی نظر آتا ہو مجھے
 جو ہر تیغ بہ سر پیشہ دیکھو معلوم ہوں میں وہ سبزہ کہ زیرِ آب گاتا ہو مجھے
 مددِ عاجز تماشائے شکستِ دل ہو آئینہ خانہ میں کوئی بیہ جا آتا ہو مجھے
 نازِ سرمایہ ایک عالم، عالمِ کعبِ خاک آسمانِ بیخِ قسری نظر آتا ہو مجھے
 زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے

دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہو مجھے

روبرو ہوئی ہو کو کتبہ شہرِ یاری اترائے کیوں ز خاک سرہ گزار کی
 جب اس کے دیکھنے کے لیے آئینِ دشاہ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہر لالہ زار کی

بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم دے
 کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہو ہمسار کی

ہزاروں خوشیوں ایسی کہ ہر خوشی پہ دم نکلتے بہت نکلمے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلتے

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہے گا سکی گردن پر
نکلن خند سے آدم کا سٹپٹے آئے ہیں لیکن
بھر بھلا جا بے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
مگر تھوڑے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھو اے
ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشنائی
ہوئی جن سے توقع حسنگی کی وادہ پانے کی
بہت یں نہیں جو فرق جیسے اور مرنے کا

کماں کو خانے کا دروازہ غالب رکھاں اعطا

پراتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

کوہ کے جوں بار خاطر آئندہ ہو جائیے بے تکلف ای شراب جیسے کیا ہو جائیے

بھیندہ آسانگ بال و پر جو یہ کنج قفس

از سر نو زندگی ہو کر رہا ہو جائیے

مستی بذوق غفلت ساتی ہلاک ہو موج شراب پاک مژدہ خرابناک ہو

جو زخم تیغ ناز نہیں دل میں آزدو جیسے خیال بھی ترے ہاتھوں چاک ہو

جوشِ حسنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
 صحر اہماری آنکھ میں ایک مٹت خاک ہو
 لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہو گوارہ جنبانی
 قیامت کثیفہ جس بتاں کا خواب سنگیں ہو
 آمد سیلاب طوفان صدائے آب ہو
 نقش پا بزمکان میں کھتا ہو نگلی بارہے
 بزمِ خودِ وحشت کدہ ہو کس کی چشمِ مست کا
 شیشے میں مہج پر ی پناہاں ہو موجِ بادِ مے
 ہوں میں بھی تماشا کی نیزنگ تماشا
 مطلب میں کچھ اس کے مطلب ہی برائے
 سیاہی عیسے گر جاتے دم تحریر کا غدر
 مری قسمت میں یوں تصویرِ شباب ہے حراں کی
 ہجومِ نالہ حیرت عاجزِ عرض یکساں ہوں
 تکلفِ ہر طرف ہو جانساں تر لطفِ بدخویاں
 ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلفت کیفیتِ شادی
 دل دیں تقدیر سنان سے گروہ کیا چاہے
 غمِ آشوبِ بلا میں پرورش دیتا ہو عاشق کو
 خموشی ریشہ صدیستاں خس بزمیاں ہو
 نگاہِ بے حجابِ نازِ تیغِ تیرِ عریاں ہو
 کہ صبحِ عیدِ مجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہو
 کہ اس باز اوس ساغرِ تبلیغِ دست گرداں ہو
 چسلیغِ روشن اپنا طرزِ صحر کا مہیاں ہو

خوشیوں میں تماشا دیکھتی ہو نگاہ دل سے تری سرسرا نکلتی ہو
نشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہو شبنم صبا جو غنچے کے پرے میں جا نکلتی ہو

نہ دو چھ سینہ عاشق سے آبِ تیغ نگاہ

کہ ترشہم روزِ در سے ہوا نکلتی ہو

جس جانیم شانِ کیش زلفِ یار ہو نافہ دماغِ آموسے دشتِ ستار ہو
کس کا مٹا رخِ جلوہ ہو حیرت کو امی خدا آئینہ فرشِ ششِ جہت انتظار ہو
ہو ذرہ ذرہ تنگیِ جا سے غبارِ شوق گرِ دام یہ ہو دسعتِ صحرِ اشکار ہو
دل مدنی و دیدہ بسا مدِ عاقلیہ نظائے کا مقتدرہ پھر رو بکار ہو
مچھ کے ہو شبنم آئینہ بر گ گل پر آب اسی غنہ لبِ وقت و دراعِ بہار ہو
تک آ پڑی ہو وعدہ دلدار کی مجھے وہ آئے یا نہ آئے یہ یاں انتظار ہو
بے پردہ سوے دادیِ جنوں گزرنہ کہ ہر ذرے کے نقاب میں دل بیقرار ہو
ای غنہ لبِ یکسکھِ جن بہرِ اشیاں طوفانِ آمد آمدِ فطسِ بہار ہو
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیرِ سی سہی اک بے دماغِ آئینہ تمثالِ دار ہو
غفلتِ کفیلِ عمر و اسدِ ضامنِ فشاہ انی مرگِ ناگہاں تجھے کیا ہزار ہو

اٹھ سینہ کیوں نہ دوں کہ ٹاشا کہیں جسے
 حسرت نے لار کھا تر ہی نرم خیال میں
 پھر نکاح کس نے گویا محبت میں اور خدا
 سر پر ہجوم و دروغ رہی سے ڈالے
 جو چشم تیرے میں حسرت دیدار سے نماں
 درکار ہو شگفتن گلہ سے پیش کو
 ایسا کہاں سے لاؤں کہ تہہ سا کہیں جسے
 گلہ سٹہ نگاہ سودا کہیں جسے
 افسون اتھپار ٹٹا کہیں جسے
 وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے
 شوقِ عنال گینختہ دریا کہیں جسے
 صبح بہار پمپنہر یہنا کہیں جسے

غالب برائے مانع جو داعضہ بڑا رکھے
 ایسا بھی کوئی ہو کہ سب اچھ کہیں جسے

شبنم بر گل نہ نہ خالی نہ انداز ہو
 دل توں شدہ گشت بکشت حسرت دیدار
 شعلے سے نہ ہوتی موبوں شعلہ نہ ہو کی
 کشال میں تیرے ہر وہ شوقی کہ اجندہ وق
 تیری کھبت نما گستر و بیل نفس زباک
 خونے تری افزہ دیا دشتِ دل کو
 داغ دل بے درد نظر گاہِ حیات
 آئینہ بدست بت بدست سناہ
 جی کس قدر افسردگی دل یہ جلاہ
 آئینہ باندہ کل آغوش کشاہ
 اک نادر نشانِ بیکر سوز نہ کیا ہو
 معشوقی دے دھمکائی طرفہ بلاہ

مجبوری و دعا سے گرفتاری اُنت
دستِ تہِ ناک آمدہ پیمانِ دنا ہو
معلوم ہوا اہل شہیدانِ گزشتہ
نیغِ ستم آئینہ تصویرِ نما ہو
اگر پرتوِ خودِ شبِ چہاں تاب دھڑکی
سیلے کی طرح ہم یہ عجیب قوت پڑا ہو
ناکردہ گناہوں کی بھی حیرت کی ملے داد
یارِ ب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہو

بیگانگیِ خلق سے بے دل نہ ہو غالب

کوئی نہیں سیرا تو مری جان خدا ہو

منظور تھی یہ شکلِ بیکار کو نور کی
قسمت کھلی ترے قد و رخ کے ظہور کی
اک خوں چکاں کفن میں کر دڑوں بناد ہو
پڑتی ہو آنکھ تیرے شہیدوں پہ جو دلی
داعیہ نہ تم ہیو، نہ کسی کو چلا سکو
کیا بات ہو تمہاری شرابِ لبو کی
زتا ہو مجھ سے حشر میں قاتل کیوں ٹھا
گو یا ابھی سُننی نہیں آوازِ صو کی
اتہ بہار کی ہو جو بیل ہو نغمہ سنج
اُڑتی سی اک خبر ہو زبانی طیو کی
گودار نہیں پہ داں کے کھلے ہو سے تو ہیں
اگر نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی
کیا فرعن ہو کہ سب کو سے ایک سا جواب
کرمی ہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
مگر ہی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں

جج کا ثواب نذر کردں گا حضور کی

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے
یہ رنج کہ کم ہے غمِ گلِ منت بہت ہے
کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہو یوں کہ مجھے دردِ تہِ حجام بہت ہے
نہ تیر کاں میں ہے نہ صیادِ کیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
کیا نہ ہد کو ماؤں کو نہ ہو گرچہ ریائی
پاداشِ عمل کی طمعِ حنا بہت ہے
ہیں اہلِ خرد کسِ ریشِ خالصِ نازاں
بستگیِ رسمِ ورہِ عساد بہت ہے
نہ مزم ہی پہ چھوڑ مجھے کیا طونِ حرم سے
آلودہ بہ محوِ جامہٴ اسرام بہت ہے
ہو قہرِ گر آب بھی نہ بنے بات کہ اُن کو
انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے
خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں ہو مرگ
رہنے دے مجھے باں کہ ابھی کام بہت ہے

ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے

شاعرِ قودہ اچھٹا ہے یہ بدنام بہت ہے

مدت ہوئی ہو یار کو سماں کیے ہوئے
جو شِ قلع سے بزمِ پسرِ غناں کیے ہوئے
کرتا ہوں جمع پھر جگرِ سخت سخت کو
سرسہ ہوا زدِ دعوتِ مژگناں کیے ہوئے

چہرہ وضع احتساب سے رکھنے لگا ہوا دم
 چہرہ گرم نامہ اسے شراب ہوا نفس
 پھر پرستش جراتِ دل کو چلا ہوا عشق
 پھر بھر رہا ہوا خامۂ مرثگان بہ خونِ دل
 باہم دگر ہوئے ہیں دلِ دویدہ پھر رقیب
 دل پھر طوائف کوئےِ لامت کو جاسے ہو
 پھر شوق کو رہا ہوا حسرتِ دیدار کی طلب
 دوڑے ہو پھر ہر ایک گلِ لالہ چنبیاں
 پھر بیاہتا ہوں نامۂ ولہار کھولت
 لہجے ہو پھر کسی کو لبِ بام پر ہو کس
 چاہے ہو پھر کسی کو ممتا بل میں آرزو
 اک ڈوب سا یہ ناز کو تار کے ہو پھر نگاہ
 پھر جی میں ہو کہ در پہ کسی کے پڑے ہیں
 جی ڈھونڈتا ہو پھر وہی فرست کہ راتِ ن

برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے
 مدت ہوئی ہو کسیر چراغاں کیے ہوئے
 سامانِ صد ہزار نکاحِ دل کیے ہوئے
 سارے چسپن طراز ہی داناں کیے ہوئے
 نظارہ و خنیاں کا ساماں کیے ہوئے
 پندار کا صنم کدہ دیراں کیے ہوئے
 عینِ متاعِ عقلِ دولِ جاسے ہوئے
 صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے
 جاں نذرِ دلِ نریبی سنواں کیے ہوئے
 زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے
 سر سے تیز دشتِ مرثگان کیے ہوئے
 چہرہ فروغِ موزے گلستاں کیے ہوئے
 سر زیر بارِ مستِ دریاں کیے ہوئے
 بیٹھے ہیں تصورِ جب ناں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھوڑ کہ پھر جو شائبہ انک سے
بیٹھے ہیں ہم تمہیں طوفاں کے موسم سے

نورِ امن ہو بیدار و دوستِ جاں کے لیے
ہم سے گرمزہ یار تشنہ لبوں ہو
وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں رہنماںِ خلوتِ اختر
رہا بلا میں بھی میں مبتلا سے آفتِ رشاک
فلک نہ دور رکھ اس کے لیے کہ میں ہی نہیں
نشاں یہ مری کوشش کا سہو کہ مرغِ اسیر
گو اکچہ کے وہ چپ تھا مری جی شامت لے
بندِ شوق نہیں طرفِ تہا سے نال
دیا جو خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے
زباں پہ بارِ خدا یا یہ کس کا نام آریا
نصیرِ دولت و دین اور معینِ ملت و ملک
زمانہ عہد میں اس کے ہو محبوب آراش

رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے
رکھوں کچھ اپنی بھی ترکانِ نشاں کے لیے
نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لیے
بلے جاں ہو ادائیری اکبیاں کے لیے
دور از دوستی قافل کے اتنی کے لیے
کوسے قفس میں فراہم خنیاں کے لیے
اٹھ اور اٹھ کے قدم میں پاباں کے لیے
کچھ اور چاہیے وسعت کے بیاں کے لیے
بنا ہو پیش تپن حسین خاں کے لیے
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے
بتا ہو چرخِ بریں جس کے آستاں کے لیے
نہیں گے اکبر تہا سے اب سماں کے لیے

دین مستام ہوا اور مدح باقی ہو سقینہ چاہیے اس بکر بکراں کے لیے
اداسے خاص سے غالب ہوا نکتہ سہرا
صلہ سے عام ہی یار نکتہ داں کے لیے



قصائد

ساز یک دزدہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار
مستی بادِ صبا سے ہو بہرِ عنِ سبزہ
سبز ہو جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ
مستی ابر سے گلِ چینِ طرب ہو حسرت
کوہِ دھوا ہمہ سب دوری شوقِ بلبل
سوچنے ہو فیضِ ہوا سورتِ بدترگانِ نیم
کاٹ کر پھینکیے ناخن تو یہ اندازِ ہلال
کفِ ہر خاکِ گردوں شدہ تیری پرواز
ہو کدے میں ہو گر آرزو سے گلِ چمنی

سایہ لالہ بے داغ سوید اسے بہر
ریزہ شیشہ ہو جوہرِ تیغِ کھسار
تازہ ہو رشید نامِ بچِ صفت رشے شرار
کہ اس آغوش میں ممکن ہو دو عالم کا نشانہ
راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار
سرِ نوشتِ دو جہاں ابر یہ یک سطرِ غبار
قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
دامِ سر کاغذِ آتش زدہ طاؤسِ شکار
بھول جایا کہ قندجِ بادہ بہ طاقِ گلزار

موج گل ڈھونڈ رہا نہ ملتا کدہ غنچہ باغ
 کھینچے گرانی اندیشہ چمن کی قصویر
 نعل سے کی ہوئی زمزمہ مدحت شاہ
 وہ شہنشاہ کہ جس کی پائی تعمیر سرا
 فلک العرش، نجوم خیمہ دوشیں مزدور
 سبزہ نہ چمن دیکھ خطا پشت لب بام
 واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے ایک کپڑا
 خاک صحرائے بخت جو ہر سیر عرف
 ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ نماز
 از پیش کو ہو واں سے طلب مستی نماز
 مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہوا کی شمعِ بستان بہار
 شکل طاؤس کرے آئینہ حسانہ پروانہ
 نیری اولاد کے غم سے ہو برے گردوں
 دل پر دانہ چراغاں پر بلب گلزار
 ذوق میں جلوے کے تیرے بہ مواسع دیدار
 سلاک اختر میں مہر نہ مژدہ گہر بار

ہم عبادت کو ترانہ نقشبند قدم ہر نماز
 ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے پہلدار
 بلخ میں تیری نہاں زمزمہ مغتبی
 جہم سے تیرے حیاں بادہ جوش اسرار
 جو ہر سبب دعا آئینہ یعنی تاثیر
 اک طرف نازش مریگان دوگر سو علم شمار
 مرداک سے ہو عز خانہ اقبال نگاہ
 خاک در کی تری چشم نہ ہو آئینہ دار
 دشمن آں نبی کو بہ طرب خانہ و ہر
 عرض خمیازہ سیلاب مہ طاق دیوار
 دیدہ تاول آئینہ اک پر تو شوق
 فیض مہنی سے خط ساغر ہشتم سرشار

قصیدہ

ہم بستر بیلوہ بیکتانی معشوق نہیں
 ہم کہاں ہوتے اگر حق نہ ہوتا خود میں
 بے دلی اسے تا شا کہ نہ غیرت چونہ ذوق
 بیکسی اسے تمنا کہ نہ دنیا ہو نہ دیں
 ہر نہ جو نغمہ نذر دہم ہستی و عدم
 لغو ہوا نہ فرق جنون و تسکین
 نقش معنی ہمہ خمیازہ عرض صورت
 سخن حق ہمہ پیماۃ ذوق خمیں
 لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
 درد یک ساغر غفلت کی چہ دنیا و چہ دیں

مثل مضمونِ دنا باد بہ دست تسلیم
 عشق بے ربطی شیرازہ اجڑے حواس
 کوہ کن گرت مزدورِ طرب گاہِ رقیب
 کس نے دیکھا نقشِ اہلِ دنا آتشِ خیز
 سامعِ زمزمہ اہلِ جہاں ہوں لیکن
 کس قدر ہرزہ سرا ہوں عیاذُ باللہ
 نقشِ لاحول لکھائی خامہ ہدیاں تحریر
 منظرِ فیضِ خدا جانِ دہلِ ختمِ رسل
 مودہ سرمایہ ایجاد جہاں گرمِ نسیم
 جلوہ پرداز ہو نقشِ قدمِ ہر کاحسبِ جا
 نسبت نام سے اُس کی ہر بہتہ کہ ہے
 فیضِ خلقِ اس کا ہی شامل ہے کہ موتا ہوتا
 رُشِ نیغہ اس کی ہے جہاں میں پسر چا
 کفر سوز اُس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹنے

صورتِ نقشِ قدمِ خاک بہ فرق نہیں
 وصلِ رنگارنگِ رخِ سہلے و حسنِ یقیں
 بے ستوں آئینہ خوابِ گراں شیریں
 کس نے پایا اثرِ مالِ اولِ ہائے حزیں
 نہ سرورِ برگِ ستا نقشِ ز دماغِ نفیریں
 کانتِ سلمِ خارجِ آدابِ دستارِ دیکھیں
 اعلیٰٰ حق کر آئینِ فطرتِ دسواں قرین
 قبلہ آلِ نبی، کعبۂ ایجادِ یقیں
 ہر کفِ خاک ہو داں گردۂ تصویرِ زمین
 وہ کھٹ خاک ہو ناموسِ دو عالم کی امیں
 ابدِ اُپشتِ فلکِ خشمِ شدہ نازِ زمین
 بوئے گل سے نقشِ بادِ صبا عطر آگین
 قطع ہو جائے نہ سریشہ ایجادِ کہیں
 رنگِ عاشق کی طرحِ رشتِ بُتِ خاندنِ چین

جاں پناہ دل دجاں فیض رسا نانا شاہ
 جسم اہلہ کو ترے دوش پیمبر منسب
 کس سے ممکن ہو تری طرح بغیر از واجب
 آستان پر ہوتے جو ہر آئینہ سنگ
 تیرے در کے لیے اسباب نثار آمادہ
 تیری مدحت کے لیے ہیں لہ جاں کلام زبان
 کس سے ہو سکتی ہو مداحی ممدوح خدا
 غفلت باز اور معاصی اسد اللہ اسد
 شوخی عرض مطالب میں ہو گستاخ طلب
 دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول
 غم شبیر سے بوسینہ یہاں تاک لبریز
 طبع کو الفت و لذت میں یہ سرگرمی شوق
 دل الفت و سبب سبب تو حیدر منشا
 صربت اعدا اثر شعلہ و دود و درخ
 دھی ختم رسل تو ہی بہ فتوای یقین
 نام نامی کو ترے ناصیہ عرش نیکیں
 شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
 دشمن بندگی حضرت جبریل امین
 خاکیوں کو جو خدا نے دیے جان دل دیا
 تیری تسلیم کو ہیں لوح دست و جبین
 کس سے ہو سکتی ہو آرائش فردوس بریں
 کہ سوا تیرے کوئی اس کا سر پیدا نہیں
 ہو ترے حوصلہ فضل پر از بسکہ یقین
 کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آئیں
 کہ رہیں خون جگر سے مری آنکھیں رنگیں
 کہ جہاں تاپا اُس سے قدم اور بے جبین
 نگر جلوہ پرست و نفس سدا کزین
 وقف احباب گل و سنبل فردوس بریں

قصیدہ

ہاں میرے نو سُنیں ہم اُس کا نام
 دو دن آیا ہے تو نظر دہم صبح
 بارے دو دن کہاں رہا غائب
 اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا
 مرجھا اکی سردِ خاص خواص
 غدر میں تین دن نہ آنے کے
 اُس کو بھولانہ چاہیے کہنا
 ایک میں کیا کہ سبے جان لب
 رازِ دل مجھ سے کیوں چھپتا ہے
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
 میں نے مانا کہ تو ہی حلقہ بگوش
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
 جس کو تو جھٹکے کر رہا ہے سلام
 یہی اندازہ اور یہی اندام
 بند رہا جسے گزشتہ ایام
 آسمان نے بچھا رکھا تھا دام
 حسدِ ادا کی نشاطِ عام عوام
 لے کے آیا ہے غیب کا پیغام
 صبح جو جائے اور آئے شام
 تیرا آواز اور ترنم
 مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نہام
 ایک ہی ہے اُس کا گانا نام
 غالب اس کا مگر نہیں ہے غلام
 تب کہا ہے بے نیازِ استفہام

ہر تاباں کو ہو تو ہوا کی ماہ
 تجھ کو کسی پایہ درشتا سی کا
 جانتا ہوں کہ اس کے نہیں سے تو
 ماہ بن ماہتاب بن میں کون
 مسیحا اپنا جُدا معاملہ ہو
 جو مجھے آرزو سے بخشش خاص
 جو کہ بخت کا تجھ کو نہ فردغ
 جب کہ خودہ منازل تسلی
 تیرے پر تو سے ہوں فرخ پذیر
 دیکھنا میرے ہاتھ میں لیسہ نہ
 قریب ہر روزہ برسیلِ دوام
 جز بتقریبِ عید ماہِ صیام
 پھر سربنا چاہتا ہو ماہِ تمام
 تجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
 اور کے لین دین سے کسی کام
 گر تجھے ہوا امید رحمت عام
 کیا نہ دے گا تجھے عوگل نام
 کہ جس کے قطع تیری تیزی کام
 کوئے مشکوے رحمتن و منظر و بام
 اپنی صورت کا اک بلوریں حمام

پھر غزل کی روش یہ پس بھگ

تو سن بلع چاہت تھا لگام

غزل

زہر غنم کر پکا تھا میرا کام
 تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام

گو ہی پھر کیوں نہ میں پیے جادک
 غم سے جب ہو گئی ہو زیست حرام
 بوسہ کیسا یہی غنیمت ہو
 کہ نہ سمجھیں وہ لذت و شام
 کعبے میں جا جائیں گے تاروں
 اب تو باندھا ہو دیریں حرام
 اس تسبیح کا ہو دور مجھ کو نقد
 چراغ نے لی ہو جس سے گردشِ ام
 بوسہ دینے میں اُن کو ہی انکار
 دل کے لیسنے میں جن کو کھا ابرام
 چھڑتا ہوں کہ اُن کو نقد آئے

کیوں رکھوں درہ غالب پناہ

کہ چکائیں تو سب کچھ اب تو کچھ
 اسی پر ہی چہرہ پاک تیز حسام
 کون تو جس کے در پہ ناصیہ سا
 ہیں مدد و مسرور نہ ہرہ بہرام
 تو نہیں جانتا تو مجھ سے کس
 نام شاہنشاہِ بلند مقام
 تبتلہ چشم و دل بہادر شاہ
 منظرِ خدا جلّ و الاکرام
 شہسوارِ طریقہ انفسان
 جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز
 بزم میں مین زبانِ قیصر و تبسم
 بزم میں مین زبانِ قیصر و تبسم
 بزم میں مین زبانِ قیصر و تبسم
 بزم میں مین زبانِ قیصر و تبسم

اکر ترا لطف زندگی اسزا
 چشم بد دور خسر دانه شکو
 جاں نثاروں میں تیرے قیصر دم
 وارث ملک جانتے ہیں بگتھے
 زور بازو میں مانتے ہیں بگتھے
 مہربا موٹنگانی نادک
 تیر کو تیرے تیر غیر ہوت
 رعد کا کرہ ہی ہو شیا دم بند
 تیرے نیل گراں جسد کی عدا
 فن صورت گری میں تیرا گرز
 اس کے مضروب کے سردن سے
 جب ازل میں رقم پذیر ہوئے
 اور ان اوراق میں بکارت قضا
 لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش
 اک تو اہم فرخی مسر جام
 وحش اشعار فانیہ کلام
 جہل خواہوں میں تیرے مرشد جام
 ایوج و زور خسر و بہرام
 گیو و گو در زو بہرن درہام
 آئیں آبدار می شمسام
 تیغ کو تیری تیغ خضم نیام
 برق کو دے رہا ہو کیا الزام
 تیرے رخسار سبک عنان کا خرام
 گزرتا ہو دستگاہ کام
 کیوں نمایاں ہو صورت ادغام
 صفحہ ہائے لیلی و ایام
 جسلا مندرج ہوئے احکام
 لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام

آسماں کو کھا گئی زنجبیریں گنبد تیز گردِ نیلِ فام
 حکمِ ناطق کھا گیا کرکھیں نیل کو دانہ اور زلف کو دام
 آتش و آب و باد و خاک نے لی دینے سوز و غم و دم و آرام
 مہرِ رخسار کا نام خسرو روز ماہِ تاباں کا اسمِ شمعِ شام
 تیری توسیعِ سلطنت کو بھی دسی بدستور صورتِ ارقام
 کاتبِ حکم نے بوجہ حکم اس رشم کو دیا طرازِ دوام
 ہر زلزلے سے روئی آفتاب ہو آبد تاب رسائی انجام

قصیدہ

صبحِ سرمہ در داغِ خاور کھلا نہ عالمِ تاب کا منظر کھلا
 خسروِ انجسکے آبا سرف میں شب کو تھا کھجینہ گوہِ کھلا
 وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نور صبح کو رازِ مددِ اختر کھلا
 ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ باز میں گر کھلا

سطح گردوں پر پڑا تھا رات کو
 صبح آیا ہاں لب مشرق تہ
 نقی نظر بند ہی کیا سب روتے
 لاکے ساتی نے مہر ہی کے لیے
 بزم سلطان ہوئی آراستہ
 تاج زریں مہر ماباں سے سوا
 شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہو
 وہ کہ ہیں کی صورت تکوین میں
 وہ کہ جس کے نائن ماباں سے
 پہلے دارا کا نکل آیا بدنام
 رشتہ سوں کی ہماں، فرست ہو
 تو سن شہ میں ہو رہی توئی کہ جب
 نقش پا کی صورت میں وہ دلفریب
 مجھ پہ نین زہنت شاہ کے

موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
 اک نگار آتشیں رخ سر کھلا
 بادہ گل رنگ کا سا غر کھلا
 رکھ دیا جو ایک جام زہر کھلا
 کعبہ امن و امان کا در کھلا
 خسر آفاق کے منہ پر کھلا
 راز بستی اس پر سر تا سر کھلا
 مقصد غر پرخ و ہفت اختر کھلا
 عقدہ احکام پہ منصب کھلا
 اس کے سر ہنگوں کا جب فتر کھلا
 داں لکھا ہو چہرہ فتر کھلا
 تھان سے وہ غیرت سر کھلا
 تو کے بت خانہ آذر کھلا
 منصب مرد و مرد محور کھلا

لاکھ غم سے دل میں تھے لیکن ہر ایک میری حسرت سے باہر کھلا
 تھا دل رابستہ نفس بے کلید کس نے کھولا کب کھلا کیر نکھر کھلا
 باغ معنی کی دکھاؤں گا ہمار مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا
 جو جہاں گرم غزوانی نفس
 لوگ جانیں طبعاً عنبر کھلا

غزل

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا کیشکے ہر تا نفس کا در کھلا
 ہم چکار ہیں در کھلے یوں کوں جائے یار کا دروازہ پاویں گر کھلا
 ہم کو جو اس راز داری پر گھمنڈ دوست کا جو راز دشمن پر کھلا
 واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
 ہاتھ سے رکھ دی کب برونے لگا کب کرے غمزدگی کی خنجر کھلا
 مفت کا کس کو بڑا ہو بدستہ رہ روی میں پردہ میسر کھلا
 سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ اشک آگ بھڑکی سینہ اگر دم بھر کھلا

نیکے سکے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ رہ گیا خط میری چھپاتی پر کھلا
 دیکھو غالب سے گرا بھٹا کوئی
 ہی دلی پوشیدہ اندر کا فر کھلا

بچہ ہوا مدحت طرازی کا خیال پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
 نوحے نے پانی طبیعت سے مدد بادیاں بھی اٹھتے ہی لنگر کھلا
 طبع سے مہرِ ح کی دیکھی شکوہ یاں عرض سے رتبہ جو ہر کھلا
 ہر کا منہ چرخ چکر کھا گیا بادشہ کا رایتِ شکر کھلا
 بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب اب علو پایہ سنہر کھلا
 سکے آتش کا ہوا ہو رہنا س اب سیار آبرو سے زر کھلا
 شاہ کے آگے دھرا ہوا آئینہ اب مالِ سعی اسکر کھلا
 مذاب کے دارِ ث کو دیکھا خلق نے اب نریبِ طغرل و بنجر کھلا
 ہو سکی کیا مدح اب اک نام ہو دفتر مدح بہاں داد رکھلا
 فکرِ اپنی پر ستافشِ ناتمام عجزِ اسجازِ ستافشِ گر کھلا
 جاننا ہوں ہو خطِ لوحِ ازل تم پہ اے خاقانِ نام آور کھلا

تم کرو صاحب قرانی جب تکاب
ہو طلسم روز و شب کا در کھلا

در صفت انبہ

ہاں دل درد مند ز مر مر ساز	کیوں نہ کھولے درِ خرمینہ ساز
خامے کا صفحے پر رداں ہونا	شاخ گل کا ہر گل نشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہو کیا لکھے	نکتہ باہے خبرِ فزائے
بارے آموں کا لچہ بیاں چائے	خامہ خسلِ رطبِ شاں ہو جائے
آہ کا کون مردِ سیداں ہو	نمرد شاخ گوے و چوگاں ہو
تاک کے جی میں کیوں ہے اراں	اٹے یہ گوے اور یہ سیداں
آہ کے آگے پیش جاوے خاک	پھوڑتا ہو بے پھپھولے تاک
نہ چاہا جب کسی طرح مقدر	بادِ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھوتا ہو	شرم سے پانی پانی ہوتا ہو
مجھ سے پوچھو تھیں خبر کیا ہو	آہ کے آگے فشر کیا ہو

نہ گل اس میں شاخ و برگ نہ بار
 اور دورایت قیاس کہاں
 جہان میں ہوئی گر یہ شیرینی
 جان دینے میں اس کو کچا جان
 نظر آتا ہو یوں مجھے یہ مگر
 آتش گل پہ قند کا ہو قوام
 یا یہ ہو گا کہ فرطِ رافت سے
 انگلیں کے حکم رستاں لٹاں
 یا لگا کر خضر نے شاخ نبات
 تب ہوا ہو مرفشاں یہ نخل
 مختار بج زر ایک تیرد پاس
 آم کو دیکھتا اگر اک بار
 ردنی کار گاہِ برگ و فوا
 رہر درادِ نخلد کا تو شہ
 جب خزاں آئے تب ہواں کی بہار
 جان شیریں میں یہ مٹھاں کہاں
 کوہ کن بار جو دِ غنم گدنی
 پردہ یوں سسل دے نہ نخل جان
 کہ دوا خانہ ازل میں مگر
 شیرے کے تار کا ہو ریشہ نام
 باغبانوں نے بارخِ جنت سے
 بہر کے بھیجے ہیں سزمہ گلشن
 مدتوں تک دیا ہو آبِ حیات
 ہم کہاں در نہ اور کہاں یہ نخل
 رنگ کا زرد پر کہاں بوباس
 پھینک دیتا تلے دست افشاں
 نازش دودمان آئے ہوا
 طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ و برگ و بارِ جو آم ناز پر دروہ بہارِ جو آم
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو فویرِ نخلِ بارِ سلطان ہو
 وہ کہ ہی دالی ولایتِ عمد عدل سے اس کے حمایتِ عمد
 فرزینِ عزتِ شان و جہاںِ جلاں زینتِ طینت و جمالِ کلاں
 کارِ قلمِ دین و دولتِ دہخت ہرہ آراستہ تاجِ دہندِ تخت
 سایہ اُس کا ہمساۓ سایہ ہو خلق پر وہ خدا کا سایہ ہو
 اگر مفیض و جو و سایہ و نور جب تک کہ ہی نمودِ سایہ و نور
 اس خداوندِ بندہ پرور کو دارِ شہِ کج و تختِ دہسر کو

شاد و دل شاد و ماں رکھو

اور غائب پہ مہرباں رکھو

قطعات

کشمکشِ نواک منظرِ بے مثلِ نظیر اگر بہانہ دارِ کرم شیوہ ہے شبِ عدیل
 پاؤں سے نیر سے فرقِ ارادتِ ذریک فرق سے نیر سے کسے نسبِ سعادتِ اکیل

تیرا انداز سخن شائے زلفِ السام
 تجھ سے عالم پہ کھلا را ربطِ قربِ کلیم
 بہ سخنِ ارج وہ مرتبہ معنی و لفظ
 تاترے وقت میں ہو عیش و طرب کی نو فر
 ماہ نے چھوڑ دیا نور سے جانا باہر
 تیری دانش مری اصلاحِ مفاسد کی رہن
 تیرا اقبال ترختم مرے جینے کی نوید
 بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ ہے مجھ کو اماں
 پیچھے ڈالی ہے سرِ رشتہ اوقات میں گانٹھ
 پیشِ دل نہیں ہے رابطہ خوفِ عظیم
 درِ معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی
 فکرِ میری سراندوزِ اشاراتِ کثیر
 میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدیق و توضیح
 نیلک ہوئی مری حالت تو نہ دیتا کلیم

تیری رفتارِ تسلیم جنبشِ بالِ جبریل
 تجھ سے دنیا میں بچا مائدہ بذلِ تسلیں
 بہ کرمِ داغ نہ ناصیہ تسلیمِ ذیل
 تاترے عہد میں ہو سرخ و الم کی نقیل
 زہرہ نے ترل کیا حوت سے کرنا تحویل
 تیری بخشش مری اسبابِ مقاصد کی کفیل
 تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل
 جرجِ کجا بانہ نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل
 پہلے ٹھونکی ہو بنِ ناخن تدبیر میں کیل
 کششِ دم نہیں ہے ضابطہ ہر تفصیل
 غم گیتی سے مرا سینہ علم کی زبیل
 کلک میری رسمِ آموزِ عباراتِ تسلیں
 میرے اجمال سے کرتی ہو تراشِ تفصیل
 جمع ہوئی مری خاطر تو نہ کرنا تحویل

قبیلہ کون و مہاں شستہ نوازی میں پیر
کعبہ امن امان عقد کشائی میں پڑھیں
ایضاً

کے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی دفا داری کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
بس ب بگڑے یہ کی شرمندگی جانے دہل جاؤ
قسم و قسم سے گریہ بھی نہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے
سکھاتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہلے ہلے
وہ سبزہ زار اے مہر اک جو غضب وہ ناز میں بتان جو آرا کہ ہلے ہلے
صبر آزمادہ اُن کی نگاہیں کھٹ نظر طاقت بادلہ اُن کا اشار کہ ہلے ہلے
وہ میوہ ہلے تازہ شیریں کہ داہ واہ
وہ باد ہلے ناب گوارا کہ ہلے ہلے

در مدح ڈلی

ہو جو صاحب کے کھن دست پہ یہ چکنی ڈلی زب بربتا جو اے جس نثر را چھائیے
خامہ انگشت بندہاں کہ اے کیا بکھے ناطقہ سر بگریباں کہ اے کیا بکھیے

فنا سب نگر بندہاں

نہر مکتوب عزیزان گرامی لکھے
 مہی آلودہ سرا نکشت حسناں لکھے
 تمام دست سلیمان کے مشابہ لکھے
 اختر سوختہ قیس سے نسبت دیجے
 حجر الاسود دیوار کسم جیسے
 وضع میں اس کو اگر سمجھے تاج و تریاق
 صدمے میں اسے کھڑائے گر تہس نہاز
 کیوں اسے قفل در کج محبت لکھے
 کیوں اسے گوہر نایاب تصور کیے
 کیوں اسے تم کو پیرا بہن لکھے

حرز بازوے شکر خان خود آرا لکھے
 داغ طرتِ جبکہ عاشق شیدا کیے
 سرِ پستانِ پری زادے ماما کیے
 خالِ مشکینِ رخِ وں کش لیلہ کیے
 نافہ آہرے بیا بان خستن کا کیے
 نگار میں سبزہ زرخیز مسیحا کیے
 مو کدے میں اسے تختِ جم صہبا کیے
 کیوں اسے نقطہ پر کار تمنا کیے
 کیوں اسے مرداب دیدہ غمنا کیے
 کیوں اسے نقشِ پا ناقہ سلا کیے

بندہ پردہ کے نقبِ دست کو دل سے زعم

در اس چکنی سپاری کو سودا کیے

قطعہ

پڑھو اس کی حقیقت حضورِ الانی
 مجھے جو بھی عزیزین کی دشمنی دلی

کنا سہ نگر اڈیشن

نہ کھاتے گہوؤں ٹکلتے نہ تلہ سے باہر
جو کھاتے حضرت آدم سے بیسی روٹی

بیان مصنف

منظور ہے گزارش احوال واقعی
سولہ سہ ہر پیشہ آبا سہ گری
آزادہ رہو ہوں درمرا مسلک جو تک
کیا کم ہو یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
استادشہ سے ہو مجھے پرغاش کا دنیاں
جام بہاں نہا ہو شہتہ کا ضمیر
میں کون اور یہ تختہ ہاں سے مدعا
مہرا لگا گیا زراہ مستمال ہر
مقطع میں پڑی ہو سخن گستاخانہ
رہے سخن کی طرف ہو نور و سیاہ

اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
کچھ شاعری ذریعہ عزت میں ہے
ہرگز آدمی سے پدارت میں ہے
نہا کہ جاہ و منصب کو نہ میں مجھے
تباہ یہ مجال یہ فاقہ نہیں جہنم
سنگہ اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
جز ایسا ناظر حضرت نہیں ہے
دیکھا کہ چارہ غیر اعلیٰ نہیں مجھے
مقصود اس کے ناطق بکنت نہیں مجھے
سود نہیں غرضیں و شہتہ نہیں مجھے

قسمت بڑی سی بہ طبیعت بڑی نہیں
صداقت ہوں اپنے وطن میں غالب الگواہ
ہو شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں ہے
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹی بات نہیں ہے

مدح

نصرت ملک بہادر مجھے بتلا کر ہے
خوشہ تودہ ہو کر ہنگامہ اگر گرم کرے
اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں
حسن نگاہ کا ہو بھلا جس کے بسے ہر دے
بات میں آئے سبے تو سچ دلت کی عشاں
تو کندہ ہو را نگر ہو شمس اتیرا
اس پر گزیرے نہ کہاں رہو دریا کا زہناں
غائب خاک نہیں ہیں خراباں ہے

متنقحات

ہم چاہیں آئینہ صفت چلاو
جو آئے جام بھر کے پیے اور دم کے
رکھ دیں پس میں بھر کے خوشیوں کی مانند
بڑے کو زندہ تا پھرے پھول کو جائے بہاند

غائب یہ کہو بہاں ہی بجز مدح بادشاہ
 بھاتی نہیں کہ آب مجھے کرنی بخت خوار
 جیتے ہیں سونے، رپے کے چھیلے حوضوں میں
 جو چین کے آگے کیم و نہ و نہر بادماند
 یوں بچھے کہ یزید سے نال کچے ہوے
 لکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند

در مدح شاہ

اے شاہِ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار
 جو عقدہ و شوارہ کوشش سے نہ آیا ہو
 ممکن ہو کرے خضر سکندر سے ترا ذکر
 اقصاء کیسیاں کی دزار سے شرف تھا
 جو نقشِ مریمی ترانسیران الہی
 تو آب سے گلب کرے طاقب سیلاں
 دھونڈھنے ملے موجبِ دریا میں روانی
 ہر گرجہ جیسے نکھڑائی میں تو غش
 کیونکر نہ کر دس طرح کو میں غم و ناہر
 جو غریب سے ہر دم جیسے عقد گوشت بشارت
 تو دار سے جس عقد سے روکیا بشارت
 جو لب کو نہ دے چہ حیاں سے لہارت
 جو فرسیلاں جو کرے تیری وزارت
 جو دار غلامی تو انور سے امارت
 تو آگ سے گردِ دفع کرے تاب بشارت
 جاتی نہ رہے آتش سوزاں میں سارت
 جو گر چہ جیسے تر طرازی میں مہارت
 قاصر و نہایت یہاں میری عبارت

نوروز ہوا آج اور وہ دن ہے کہ ہو یہی نظارگی صنعت حق اہل بصارت
 تجھ کو شربت ہر جہاں کتاب مبارک
 غالب کو ترے عتبہ عالی کی زیارت

قطعہ

افطار رسوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو اس شخص کو ضرور ہر روزہ رکھا کرے
 جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
 روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

گزشتہ مصنف بحضور شاہ

امیر شمس شاہ آسمان اور نگار ای ہمارے آفتاب آثار

تھا میں اک بیوے گوشہ نشین
 تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
 کہ ہوا مجھ سا ذرا ناچیز
 گرچہ از روئے نگاہ بے ہیزی
 کہ گراپنے کو میں کہوں حنا کی
 شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
 خانہ زاد اور مرید اور مداح
 بے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
 نہ کہوں آپ کے تو کس سے کہوں
 پرورد مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں
 کچھ تو جاڑے میں چاہے آتش
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
 کچھ خریدائیں ہو اب کی سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ

تھا میں اک درویش سینہ نگار
 ہوئی میری وہ گری پاؤں
 بدشتاس ثوابت و سیار
 ہوں خود اپنی نظر میں آئناوار
 جانتا ہوں کہ آئے خاک کو غار
 بادشہ کا غلام کار گزار
 تھا ہمیشہ سے یہ غیر افتد نگار
 نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
 مدعا سے ضروری اہلار
 ذوق آرائش سرود ستار
 تازے باد نہ مہر آزار
 جسم رکھتا ہوں بیو اگرچہ نزار
 کچھ بنایا نہیں ہزار کی بار
 بھاڑ میں جاؤں اسے میل و نثار

سگ تازے کھان تک نشان
 دھوپ کی تابش آگ کی گرم
 میری تنخواہ جو مسترد ہو
 رسم ہو مرثیہ کی چھ ماہی ایک
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بشتید جہالت
 بنا لیستاروں پر بیٹھنے قرین
 میری تنخواہ میں کسی کا
 آج مجھ سے مناسب زمانے میں
 رزم کی داستان گریسنے
 رزم کی ابرسزام گریسنے
 فلسفہ ہو گرنہ ورنہ سن کی داد
 آپ کا بندہ اور چہروں ننگا
 میری تنخواہ کیسے ماہ نامہ
 حتم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام

دھوپ کھائے کھان تک نشان
 وقت رشتہ خدا سے انکار
 اس کے ملنے کا ہی عجب منہ
 خلق کا ہی اتنا پسینہ سرد
 اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
 اور یہی ہی ہو سوہ کی تھکار
 ہو ایسا ہر شرم کا پہلو کار
 شاعر سر نعر گوے خوش گستا
 ہر زبان میں میری تیغ ہو ہوار
 ہو تسلیم میرا اور گوہر بار
 قہر سے اگر کر دے مجھ کو بیار
 آپ کا ذکر اور کیا دیا دھار
 تازے ہو مجھ کو زندگی و شوار
 شاعری سے نہیں بچھے سر و کار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہزار برس کے ہوں دن بچا ہزار

قطعات

سید کاظم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا ملائیے
ہو نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے
کہ جو شریک ہو میرا شریک نہ ملائیے
قطعہ

سہل تھا سہل دے یہ سخت مشکل آپری
مجھ پہ کیا گروے گی اتنے روز نہ رہے
تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد
تین سہل تین تیریدیں یہ سب دن ہوسے

قطعه تالیف

خمسہ انجمن طوسے میرزا جعفر
کہ جس کا دیکھ سے سب کا ہوا چہرہ منظر
ہوئی ہر ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی منظر
۱۸۵۴

قطعه تالیح دیگر

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہو ایزم طرب میں رقص نامید
کہا غالب کے تالیح اس کی کیا ہے تو بولا افشراح جتن جھشید

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں دربار دار لوگ ہم آشنائیں
کا فوق ہاتھ دھرتے ہیں گرتے ہوئے سلام اس سے ہو میرا کہ ہم آشنائیں

رباعیات

بعد از امتسام بزم عید اطفال آیام جوانی ہے سانغ کثر حال
اپہنچے ہیں تاسرا و اقامت غم ای عمر زشتہ یک قدم استقبال

شرب انت دُرخ عرق نشاں کا غم تھا بیا شرح کرد کہ طرفہ تر عالم تھا

روز میں ہزار آنکھ سے صبح تک ہر قطرہ اشک دید و پردہ پر نہ تھا
ایضاً

آتش باد میں ہے جیسے شغل اطفال ہے سوزِ حیر کا بھی اسی خون کا حال
تھا موحبِ عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کے لیے لیا ہے کیا کھینچا کان
ایضاً

دل تھا کہ جو جان ویر و تہید سہی بیتیابی رشکِ حسرت دید سہی
ہم اور منہ دن اس کی بجلی انسو س تگرارِ روا نہیں رو تجرید سہی

ہی خلقِ حسد قماشِ لڑنے کے لیے دشتِ کدو تماشِ لڑنے کے لیے
یعنی ہر بار صورت کا عذرِ بادِ ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے
ایضاً

دلِ سخت نژدِ موگیا ہے گویا اس سے گھر مندِ موگیا ہے گویا
پر لکے آگ بول سکتے ہیں نہیں غالبِ منہ بندِ موگیا ہے گویا

دکھ جی کی پسند ہو گیا ہے غالب دل رک کر بند ہو گیا ہے غالب
و اکثر کشب کو پسند آتی ہی نہیں سونا سو گھنٹ ہو گیا ہے غالب

ایضاً
مشکل جو زبان کلام میرا کو دل سن سن کے اتنے سنو ان کا دل
اساں کھنکھنے کی کرتے ہیں فرائض گویم مشکل دگر نگویم مشکلی

ایضاً
بھیجی ہو جو مجھ کو شاہ جم جانے وال ہو مطلق دعائیات شہنشاہ پہ وال
یہ شاہ پسند وال سبب بحث و جدال ہے دولت دین و دانش و داد کی وال

ایضاً
ہیش میں صفات ذوالکمالی باہم اتنا رہسالی جسمانی باہم
ہوں شاد نہ کیوں ساغل و عالی باہم برابر کی شب قدر و والی باہم

ایضاً
حق نہ کی ابتلا سے خلق کو شاد کرے شاہ شیوع و افش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہوشیہ عمر میں گھٹ جو صغر کہ افز افش اعداد کرے

اُس سے میں لاکھ تاروں بکھڑا ہوا اُسے ہی برس شہابوں بکھڑا ہوا
ہر سنگیے کو ایک گز فرس کر رہا ایسی گرہیں ہزاروں بکھڑا ہوا

ایضاً

کچھ سے کہ اب وہ مردم آزار نہیں عشاق کی پرستش سے اسے سزا نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہو گا یوں نہ کر ماؤں کہ اس میں تلوار نہیں

ایضاً

تم گریہ بہنے سلام کرنے والے کرتے ہیں درگاہ کام کرتے والے
نہجے میں کہیں خدا سے اللہ راہ وہ آپ میں صبح و شام کرتے والے

ایضاً

سامان خور و خواب کہاں لاؤں آرام کے اسباب کہاں لاؤں
مردہ مرا ایمان ہو غالب لیکن شہزادہ و بیگم اب کہاں لاؤں

ایضاً

ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے بیجے ہیں جو ارمغان شہرِ لالہ نے
گن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار فرشتے کی قبیح کے ہیں یہ دانے

انتخاب

اپنے مَشْنی اضر کہا ہو تو سہی یہ بھی یا حسرتِ ایوب گلا ہو تو سہی
 بے طاقت سے مولا ہو تو بیٹوں کیونکر ذہن میں خوبی تسلیم دینا ہو تو سہی
 ہو غنیمت کہ بہ اُسید گزر جائے کی عمر نہ ملے داد مگر روزِ جزا ہو تو سہی
 دوست گر کوئی نہیں ہو جو کرے چارہ گری نہ سہی دیکھتے تماشے دوا ہو تو سہی
 غیر سے دیکھیے کیا خوب بھائی اُس نے نہ سہی ہم سے پر اُس بت میں وفا ہو تو سہی
 نقل کرتا ہوں اُسے نامہ اعمال میں کچھ نہ کچھ روزِ ازل تم نے لکھا ہو تو سہی
 کبھی آجائے گی کیوں کرتے ہو جلدی غالب
 شہرہ تیزیِ شمشیرِ قضا ہو تو سہی

غزل

در توصیف مرزا احمد بیگ خاں طپاں و مرزا ابوالقاسم خاں قاسم

دیکھنے میں ہیں گرجہ درد پر بیتِ دونوں یا ایک
ہم سخن اور ہم زبان حضرت قاسم و طپاں
تقدیر سخن کے واسطے ایک عیب را آگئی
ایک وفادہ میں تازگی مساطا دہر
گل کدہ تلاش کو ایک ہو رنگ ایک ہو
ملکت کمال میں ایک امیر نامور
گلشن اتفاق میں ایک بہار بے خزاں
زندہ شوقِ شعر کو ایک چراغِ انجمن
دووں کے دل حق آشنا دونوں رسولِ پرست
جانِ فاپرست کو ایک شمیمِ نو بہار
لایا ہو کہہ کے یہ غزل شائبہِ ریاضِ درد
کو کے دل و زبان کو غالب خاکسار ایک

سہرا

خوش ہوا کی بخت کہ ہو آج ترے سر سہرا
 کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہ کھلا لگتا ہو
 سر پہ چڑھنا تجھے بھیتا ہی پر اُمر طرفِ کاناہ
 ناؤ بھر کر ہی پڑے گئے ہوں گے موتی
 سات دریا کے فراہم کیے ہوں گے موتی
 یخ پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینا چمکا
 یہ بھی اکسبے آدنی تھی کہ تیلے بڑھ جا
 جی میں اترا میں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
 جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
 یخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی دھاب
 تار ریشم کا نہیں، ہو یہ رگ ابر بہار
 ہم سخن ریشم ہیں غالب کے طرف دار نہیں
 دیکھیں اس سے کدے کوئی بڑھ کر سہرا

سلام

سلام اُسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو
 نہ بادشاہ نہ سلطان، یہ کیا پیشی ہو؟
 حُسد اکی راہ میں شاہی دُشمن کی کیا!
 خدا کا بندہ، خداوندگار بندوں کا
 فرخِ جو ہر ایساں، حسین بن علی
 کفیلِ بخشش اُمت کبھی نہیں مرتے
 مسیح جس سے کرے اخذِ فیض جان بخش
 وہ جس کے ماتیموں پر ہی سلسبیل
 عدد کی سمیعِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
 بہت ہی پائی گردِ رہِ حسین بند
 نظارہ سوزِ ہویاں اکہراکتِ خاک
 ہمارے درد کی یارب اکہیں دوا نہ ملے
 تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اس کو
 کہو کہ خاکسِ آبی عبا کہیں اس کو
 کہو کہ رہبرِ راہِ حُسد اکہیں اس کو
 اگر کہیں نہ حُسد اوند کیا کہیں اس کو
 کہ شمعِ انجمن کسبر یا کہیں اس کو
 اگر نہ شافعِ روزِ جزا کہیں اس کو
 ستم ہی کشتہ تیغِ جہنم اکہیں اس کو
 شہیدِ تشنہ لبِ کر بلا کہیں اس کو
 کہ جن دافسِ دُعا سب بجا کہیں اس کو
 بختِ رنم ہی گر گمبیا کہیں اس کو
 کہ نوکِ جو ہر تیغِ قصف اکہیں اس کو
 اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اس کو

ہمارا منہ ہو کہ دیں اُس کے حسنِ صبر کی داد؟ مگر بنی و علی مر حب کہیں اس
 زمامِ ناترکھت اُس کے ہیں ہی کہ اہلِ یقین پس اند حسین علیؑ شرا کہیں اس
 وہ ایک تفتہٴ دادی پہ گامِ شہر سا ہو کہ طالبانِ خدا رہنا کہیں اس
 امامِ وقت کی یہ قدر ہو کہ اہلِ عمتِ اد پیادہ لے چلیں اور نامِ شہر کہیں اس
 یہ اجتہادِ محجب ہو کہ ایک دشمنِ دیں علی سے جنگ کرے اور خطا کہیں اس
 نزدیک تو نہ کھتا اجتہاد کا پایہ بُرا نہ ملے، گر ہم بُرا کہیں اس
 علی کے بعد حسن اور حسن کے بعد حسین کسے جو ان سے برائی، بھلا کہیں اس
 بنی کا ہونہ جسے اعتقاد کا فہرے رکھے امام سے جو بغض، کیا کہیں اس

بھرا، ہو غالبِ دلِ حشر کے تہِ کلام میں درد
 غلط نہیں ہو کہ خوئیں تو ا کہیں اس کو